بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

(القرآن شریف)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۳۵

ماہنامہ

معارفِ اسلام

جون ۱۹۵۸ء | ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ

زیرِ نگرانِ اعلیٰ
(اعزازی)
علامہ سید امداد حسین کاظمی المشہدی

ناشر
ادارہ معارفِ اسلام (رجسٹرڈ)
لاہور
چندہ سالانہ للعہ | قیمت فی پرچہ ۸/
[illegible]

"راستی و درستی بہترینِ سیاست است"

ماہنامہ

معارف اسلام لاہور

مدیر اعزازی: غیاث الدین

جلد ۴	ماہ ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق جون ۱۹۵۸ء	شمارہ ۳

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتنی ھا

وَفَدَیۡنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ۝

وَتَرَکۡنَا عَلَیۡہِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ۝

ماہِ ذوالحجّہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس ماہ میں جدِ پیغمبرِ اسلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی راہِ خدا میں اپنے بیٹے کی قربانی منظور ہوئی۔ گو حضرت اسمٰعیل ذبح نہ ہوئے مگر نیت و عمل ابراہیم علیہ السلام کی مقبولیت کی وجہ سے ذبیح اللہ کہلائے۔ اسی خوشی کی وجہ سے وہ دن یوم عید کہلایا۔ خدائے رحمٰن نے قربانی کو قبول فرماتے ہوئے اسے ذبحِ عظیم سے بدل دیا۔ اور اس ذبح کو عہدِ آخرین یعنی آخری نبی کے عہد میں واقع ہونا قرار دیا چنانچہ اس ماہ کے ٹھیک ایک ماہ بعد (ماہ محرم میں) اُسی تاریخ کو (یعنی ۱۰ تاریخ کو) میں اسی وقت (یعنی بوقت عصر) یوم ذبحِ عظیم مقرر ہوا جس کی تائید کتب انبیائے سلف میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ توریت یرمیاہ باب ۴۶ آیت ۱۰ یوں ہے

"کیونکہ یہ خداوند رب الافواج کا دن ہے اور انتقام کا دن۔ تاکہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے۔ اور تلوار کھا جائیگی۔ اور سیر ہوگی اور ان کا لہو پی کے مست ہوگی۔ کیونکہ خدائے رب الافواج کیلئے اُتر کی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ذبیحہ مقرر ہے"

روحِ انسانی اور روحِ حیوانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے **مثال**۔ چند یوم ہوئے راقم الحروف ایک تانگہ میں اپنے بچے کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں کوچوان گھوڑے کو چلانے کیلئے چھڑی استعمال کرتا رہا۔ بچے نے کوچوان کے اس فعل پر مجھے متوجہ کیا کہ بے زبان کو مارتا ہے۔ میں نے حقیقت الامر سے اس کو آگاہ کیا۔ گھوڑے کی جسامت ہماری جسامت سے بڑی۔ اس کا دل اور دیگر اعضاء انسانی اعضاء سے کہیں بڑے۔ اُس کی خوراک زیادہ اُس کی طاقت زیادہ مگر کمزور و ناتواں انسان اُسے اپنی مرضی کے مطابق لئے پھرتا ہے اور وہ یعنی گھوڑا دن سے لیکر رات تک اسی طرح مار کھاتا

لہ اسی ماہِ مبارک کی ۱۵ ؁۲۱۲ھ یوم جمعہ کو مسلمانوں کے دسویں امام حضرت علی نقی ابن امام محمد تقی کی ولادت اور ۷ تاریخ ؁۱۱۴ھ بروز دوشنبہ کو پانچویں امام حضرت محمد باقر ابن زین العابدینؑ کی شہادت واقع ہوئی نیز

ماہ رجب کی بڑی خصوصیات میں ماہ ذوالحجہ ۱۸ یوم تکمیل دین بھی ہے جس کا ذکر گفتنی ۱ کے آخر میں ملاحظہ فرمادیں یعنی عید غدیر کے

بھا اپنی تمام زندگی گزار رہا ہے۔ اسے انسانوں کی طرح اپنی ترقی کا احساس نہیں۔ پھر کیا اتنے بڑے جاندار پر بظاہر جو ظلم ہو رہا ہے یہ خدا کی ناانصافی ہے یا نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا "قائم بالقسط" ہے۔ وہ عادلِ مطلق ہے۔ اصل چیز احساس ہے۔ اگر خدا نے اُسے انسانوں کی طرح شعور عطا فرمایا تو یقیناً ظلم ہے۔ اور اگر ایسی قوت خدا نے اُس میں ودیعت نہیں فرمائی تو یقیناً یہ انسان کے فائدے کیلئے خلق کیا گیا۔

انسان اور حیوان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ عام انسان اور نبی یا امام میں ہے پس روحِ انسانی اور روحِ حیوانی میں کس قدر بُعد ہے۔ اور پھر روحِ حیوانی اور روحِ نبوتی میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ علی الترتیب کمی وبیشی ہے۔ لہٰذا ایک نبی اللہ کی ذبح کے مقابلہ میں ایک حیوان کی ذبح کیونکر عظیم کہلائی جا سکتی ہے جبکہ کروڑ ہا حیوانی روحیں بھی ایک انسانی روح کے ہم پلہ نہیں، —— تو ایک حیوان کو ایک نبی پر کیونکر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) بیشک راحتِ جانِ و نورِ عینِ نبیِ اعظم کی ذبح حقیقت میں ذبح عظیم ہے۔ حکیم ملت اقبال نے خوب تشریح فرمائی ہے ؎

سرِ ابراہیم و اسمٰعیل بود   یعنی آں اجمال را تفصیل بود
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر   معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

ماہِ ذوالحجہ غم کا مہینہ ہے۔ اسے ماہِ محرم کا مقدمہ کہیں تو عین حقیقت ہے۔ کون ایسا مسلمان ہے کہ واقعات ذبحِ اسمٰعیلؑ سن کر اُس کا دل نہ بھر آتا ہو۔ اور آنکھوں سے آنسو ڈھلتے ہوں۔ یہی آنسو جذبہ محبت اسلام پیدا کرتے ہیں اور یہی داستانِ اسلام تحریر کرنے کیلئے روشنی کا کام دیتے ہیں ؎

غریب وسادہ ورنگین ہے داستانِ حرم   نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

اسلامی جماعتوں کا متحدہ محاذ

چوہدری محمد علی صاحب بالقابہ (سابق وزیر اعظم حکومت پاکستان) نے ۲۵ مئی کو چشتیاں (بہاولپور) میں اپنی انتخابی تقریر کے دوران میں ارشاد فرمایا کہ:-

"سب اسلامی جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم ہونا چاہیئے۔ تاکہ پاکستان کو لادینی بنانے کی کوششوں کو ناکام بنایا جائے۔ آپ نے یہ بھی مطلع فرمایا کہ متحدہ محاذ قائم کرنے کیلئے بات چیت بھی شروع ہو چکی ہے۔ اور اگر یہ بات چیت ناکام بھی

رہی تو بھی وہ اور ان کی پارٹی پاکستان میں لادینی مملکت قائم کرنے کے منصوبوں کو ناکام بنانے کی پوری کوششیں جاری رکھیں گے"۔ (نوائے وقت ۲۴ مئی ۱۹۸۷ء)

ہمیں تعجب ہے کہ ملک میں جبکہ طرزِ جمہوریت رائج ہے (جو کہ خالص مغربیت کی پیداوار ہے اور اسلام سے اس کا دور سے بھی تعلق نہیں) اور آپ بھی اسی کے مؤید ہیں۔ تو دینی حکومت کیونکر قائم ہو سکتی ہے۔ جب قابلیت اور عملِ صالح کی بجائے عوام کالانعام کے ووٹوں کی گنتی سے اپنے امرا چننے کا قانون رائج ہو تو اس صورت میں دینی حکومت کا قیام کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ بقول اقبالؒ ؎ جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور ؎ کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

اپنے ہی عہدِ وزارت میں دستورِ مملکت جو آپ نے پاس کرایا اس میں تو اسلام کے ساتھ جمہوریت کی دُم لگی ہوئی ہے۔ وہاں کہاں لکھا ہے کہ یہ مملکت خالص اسلامی ہوگی۔ وہاں تو "جمہوریہ اسلامیہ" ہے۔ آپ نے خالص دودھ کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ پانی ڈال کر دودھ کو قبول کیا ہے۔ "جمہوریہ" پہلے ہے اور "اسلامیہ" بعد میں گویا کہ دودھ میں بھی پانی نہیں ڈالا گیا۔ بلکہ پانی میں تھوڑا دودھ بعد ازاں ملایا گیا۔ اگر جمہوریت دینِ اسلام میں شامل ہوتی تو اس کا علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اب آئندہ الیکشن سے پیشتر آپ کو لادینی کوششوں کو مٹانے کی سوجھی ہے۔ درآنحالیکہ آپ خود اسی حکومت کی گاڑی کو چلاتے رہے ہیں۔ بہرحال چوہدری صاحب کی کوششیں سر آنکھوں پر ——— مگر کوششیں ایسی ہونا چاہئیں جن سے ملک میں فرقہ وارانہ منافرت بھی ختم ہو سکے۔ نہ کہ زیادہ بڑھے۔ کم از کم آپ کو قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نقشِ قدم کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ انہوں نے حصولِ پاکستان کی جد و جہد میں تمام اسلامی فرقوں کو ایک محاذ اور ایک ہی سٹیج پر اکٹھا کر دیا تھا۔ اس لئے آپ بھی تمام اسلامی فرقوں کی جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم کریں۔ اور کسی مخصوص فرقہ ہی میں اُلجھ کر نہ رہ جائیں۔ کیونکہ آپ اس سے انکار نہ کر سکیں گے کہ تمام اسلامی فرقے اُمتِ رسولؐ میں شامل ہیں۔ اگر آپ کسی مخصوص فرقہ ہی میں اُلجھے رہے تو آپ ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہو سکیں گے یہ تاریخ کا تجربہ شدہ فیصلہ ہے ؎

"شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا" یہ وہ پھل ہے۔ کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

"معارف اسلام" کی پالیسی ملکی سیاسیات میں اُلجھنا نہیں۔ معارفِ اسلام یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ آئندہ الیکشنز کے سلسلہ میں ہر پارٹی حصولِ اقتدار کیلئے دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔

اور عوام کے ووٹ حاصل کرنے کیلئے پاکستانی مسلمانوں کے مذہبی ذوق کی بنا پر قسم قسم کے دلکش مقاصد لوگوں کے سامنے پیش کر رہی ہے چلئے ہم شک نہیں کرتے کہ چوہدری صاحب کا پروگرام بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مگر جہاں تک اسلامی جماعتوں کے متحدہ محاذ کا تخیل ہے۔ اس پروگرام میں اگر واقعی نیک نیتی ہے۔ تو اس نیت کا ٹھیک ہونا بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور جب ہی یہ پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ جب ہم سیاسی طور پر قائد اعظم مرحوم کے نقش قدم پر چلیں۔ اور تمام فرقوں کو بالخصوص اسلام کے دو بڑے فرقوں یعنی سنی وشیعہ کو ایک محاذ پر اکٹھا کریں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ لادینی رو کی تمامتر ذمہ داری اُن مذہبی رہنماؤں کے سر پر عائد ہوتی ہے۔ جو پاکستان بن جانے کے بعد یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ بس ایک ہی فرقہ کی ملکیت ہے۔ سیاں بھلے کوتوال اب ڈر کا ہے کا۔ ایک ہی فرقے کو تمام مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے۔ تا کہ پاکستان بلا شرکت غیرے صرف انہی مولویوں کے ہاتھوں میں آجائے۔ ان مولویوں کے علاوہ اس لادینی رو کے بہنے کی ذمہ داری اُن سیاسی لیڈروں کے سر بھی ہے۔ جو کرسی اقتدار پر قبضہ کرنے کیلئے فرقہ دارانہ فضا کو ہوا دیتے رہے اور دے رہے ہیں۔ اور دشمنِ اسلام مولویوں کو آلۂ کار بنا رہے ہیں۔ یا اُن متعصب وغیر دیانتدار اہلکاروں کے سر جن کو بعض اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ اور وہ اپنے عقائد کے مطابق ملک میں حکومت دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جب تک یہ ناپاک جذبہ ایسے افراد کے دل و دماغ پر مسلط رہیگا۔ لادینی دن بدن بڑھتی جائیگی کیونکہ پڑھا لکھا طبقہ ایسے کردار سے متنفر ہو کر دن بدن مذہب سے کنارہ کشی اختیار کر رہا ہے۔ ملک میں تاوقتیکہ شیعہ اور سنی مسلمان ایک محاذ پر اکٹھے نہ ہو جائیں اسلامی حکومت کا قیام — خیال است ومحال است وجنوں۔

مسلم فلسفہ کی تاریخ

اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت پاکستان ایک بورڈ مرتب کر رہی ہے جس کی نگرانی میں ایک ادارہ قائم کیا جائیگا۔ جو مسلم فلسفہ کی تاریخ مرتب کریگا۔ اس بورڈ کے مجوزہ اراکین کا اعلان بھی ہو چکا ہے جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ہے :-

(۱) سیکرٹری وزیر مالیات (۲) ڈائریکٹر تعلیمات مشرقی بنگال

(۳) ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامی (۴) صدر شعبہ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

(۵) پروفیسر پنجاب یونیورسٹی لاہور (۶) پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی

حکومت کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے۔ اور ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن اراکین بورڈ کے اسمائے گرامی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ کہ ان میں سب وہی حضرات ہیں جو حکومت کی اعلیٰ اعلیٰ گدیوں اور کرسیوں پر براجمان ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسی ہستی نہیں جو تاریخ تعلیم وتعلم علمی اور مذہبی معلومات سے واقف ہو۔ ان میں کوئی جید عالم یا اسکالر نہیں۔ ایسے لوگ جن کا رول علمی [illegible]بی اور مذہبی شعبوں میں تقریباً صفر ہو بھلا مسلم فلسفہ کی تاریخ کیا مرتب کرینگے۔ کیونکہ یہ ان کے بس کا روگ نہیں

ادارہ ثقافت اسلامیہ جس نے آج تک کوئی تعمیری کام نہیں کیا۔ بلکہ حکومت کا لاکھوں روپیہ اس پر ضائع ہوا ہے اور آج تک جتنا لٹریچر اس نے شائع کیا ہے۔ تمام میں نفاق بین المسلمین کے اسباب پیدا کئے۔ اتحاد بین المسلمین کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کتب مخصوص فرقہ وارانہ بنیادوں پر لکھی گئی ہیں۔ اس کے ڈائرکٹر کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس کو علم عربی سے بہت کم واقفیت ہے۔

بقول مدیر نقاد کراچی اس مسلم فلسفہ کی تاریخ جمع کرنے والوں کی نگرانی کیلئے جو اراکین ہماری حکومت جمہوریہ پاکستان مقرر کر رہی ہے ان میں سے ایک محترم رکن کا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کا فلسفہ میں کوئی کام (WORK AND CONTRIBUTION) نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے محض قدیم فلسفہ یونان اور اہل مغرب کے علم و تحقیق سے استنباط کیا ہے۔

انہیں اراکین میں سے ایک رکن ایسے ہیں جو ثقافت اسلامیہ کی انفرادیت اور اس کے امتیاز کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کے احکام اور قرآن کی نصوص قطعی میں بھی اپنے مغربی علم و استدراک کے بل بوتے پر اجتہادی تحقیق کرتے ہیں۔ اور علیہ تحریریں لکھ کر اسلام کی بنیادی روح تعلیم کو مردہ کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اس بورڈ کے معزز اراکین میں ایک بزرگ ایسے بھی ہیں۔ جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے اس حد تک قائل ہیں کہ قرآن و حدیث کو علامہ اقبال مرحوم نے سپورٹ کیا ہے۔ الا ماشاء اللہ

مسلم فلسفہ کی تاریخ کیا بنے گی اور اسکی نگرانی کیا ہوگی۔ ہم حکومت پاکستان سے درخواست کرینگے کہ اس مسلم فلسفہ کی تاریخ مرتب اور نگرانی کرنے والوں میں ایسے لوگوں کے نام شامل کریں۔ جن کا درجہ علمی ذہنی اور جن کی فکری بلندی درجۂ استنادی کی حامل ہو۔ اور جن کے مدارج علمی پاکستان کیلئے باعث فخر ہوں۔ مسلم فلسفہ کی تاریخ اس وقت تک کما حقہ مرتب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اسکی

نگرانی کرنے والے بورڈ میں عربی - فارسی - فلسفہ اور قانون کے جید اور متبحر عالم شامل نہ کئے جائیں اور پاکستان میں ایسے علما کی کمی نہیں - بشرطیکہ انہیں سرکاری کرسیوں میں نہ تلاش کیا جائے۔

سیالکوٹ کا ایک فسادی مُلّا

گزشتہ ماہ ہم نے ——— ایک شیعہ ذاکر کا تذکرہ کیا تھا - آج ہم سیالکوٹ کے ایک ایسے فسادی مُلّا کا ذکر کرتے ہیں جس نے مسلمانوں میں فساد پھیلانا اپنا جزو زندگی بنایا ہوا ہے ممکن ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں اس قسم کی مفسدہ پردازی کیلئے ایسے لوگوں کو دشمنانِ پاکستان کی طرف سے کچھ جلب منفعت بھی ہوتی ہو جس کی تحقیق تو گورنمنٹ کا متعلقہ محکمہ ہی کر سکتا ہے بہرحال ایسے آدمیوں کی سخت نگرانی رکھنا گورنمنٹ عالیہ کا فرض ہے - اور یہ پاکستان کے مفاد کیلئے ضروری ہے - یہ شخص مسمی خالد محمود سیالکوٹ کی کسی تعلیم گاہ میں مدرس ہے یا رہ چکا ہے ہم کہتے ہیں کہ اس ذات شریف کا طلباء پر کیا اثر پڑتا ہوگا - اور تعلیم گاہ میں جہاں کہ مختلف عقائد کے طلباء زیر تعلیم ہوتے ہیں - ان میں کیا کیا گل لئے کھلاتا ہوگا - گذشتہ سال اس نے کرشن نگر لاہور میں بزرگانِ دین اسلام پر گستاخانہ حملے کر کے عہد بنو امیہ کی یاد کو تازہ کیا تھا - اب حافظ آباد میں اس نے جامع اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں سخت زہریلی تقریر کی ہے جسکو کوئی بھی باغیرت مسلمان شیعہ ہو یا سنی برداشت نہیں کر سکتا جس جلسہ میں یہ تقریر کی گئی - اُس کے صدر بھی برداشت نہ کر سکے اور کرسی صدارت سے اُٹھ کر چلے گئے - مولویوں کے سامنے ان کی پیش نہیں گئی اور جلسہ کو درہم برہم کرنا انہوں نے مناسب نہ سمجھا - وگرنہ چاہئے تھا کہ بحیثیت صدر جلسہ ایسی تقریر کو فوراً بند کرا دیتے - کیونکہ ایک درسگاہ کے سالانہ جلسہ سے اس تقریر کا کوئی ربط نہ تھا - یہ مُلّا خدا جانے کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے نہ سنی ہے نہ شیعہ - اگرچہ لبادہ سنیّت کا اوڑھے ہوئے ہے نہ صرف مذہب اہلسنت میں بلکہ تمام مسلمانوں میں اہلبیت نبوت کی توہین کرنا سراسر گناہ و لاّ داری کا باعث ہے اور ناقابل برداشت فعل ہے - یہ شخص بظاہر تنظیم اہلسنت کا ڈھنڈورہ پیٹتا ہے - مگر یہ نہیں جانتا کہ اہلسنت کوئی غیر منظم فرقہ نہیں - پھر یہ نئی تنظیم کیسی - بھولے بھالے مسلمانوں کو تنظیم اہلسنت کے لفظ سے دھوکہ دینا اور پھر ایک فرقے کو دوسرے کے خلاف آمادہ فساد کرنا کونسی مسلمانوں کی خدمت ہے - عالم وہ جس کی تقریر سن کر مسلمانوں میں آپس میں محبت اور پیار بڑھے نہ کہ اُس کی تقریر سن کر ایک دوسرے کے خلاف جذبات نفرت و حقارت لیکر اٹھیں - اس دریدہ دہن نے پاکستانی مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے - جو کہ اس کی حالیہ تقریر حافظ آباد

کے اقتباسات جو اخبارات میں چھپے ہیں اُن سے ظاہر ہے ہم یہ اقتباسات شائع کر کے مسلمانوں کی دلآزاری نہیں کرنا چاہتے۔ اس نے شیعہ مسلمانوں کو اور ان کے معتقدات پر انتہائی دلآزار اور بازاری لب و لہجہ میں مذاق اڑا کر اپنے مبلغ علم کی مٹی پلید کی ہے۔ اور نالی یہاں آکر توڑی ہے کہ شیعہ مسلمان پاکستان چھوڑ کر ایران چلے جائیں۔ کیا یہ مطالبہ دستور پاکستان کی دفعات کے مطابق اور ملک کو طاقتور بنانے کے موافق ہے؟ اگر کل شیعوں کا کوئی ایسا ہی مولوی یہ مطالبہ کرے کہ سُنّی مسلمان پاکستان چھوڑ کر افغانستان چلے جائیں جس طرح کہ تحریک خلافت میں ہجرت کر گئے تھے تو کیا یہ مطالبہ عقلمندی کہلائیگا؟ خدارا ہمیں مذہبی جنون میں اتنے اندھے نہ ہو جانا چاہئیے۔ شیعہ اور سُنّی بھائی بھائی ہیں۔ یہ ایک ہی جگہ پیدا ہوئے۔ ایک ہی جگہ پلے اور ایک ہی جگہ انہوں نے مرنا ہے۔ ایک گھر میں ایک بھائی شیعہ ہے تو دوسرا سُنّی۔ بیٹا شیعہ ہے تو باپ سُنّی۔ ایک بہن سُنّی سے بیاہی گئی ہے تو دوسری شیعہ سے۔ کیا تقسیم ملک کی ہجرت کے بعد یہ فسادی مُلا ایک اور ہجرت جاری کر کے ملک کو کمزور اور مزید مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟ اگر تمام شیعہ ایران چلے جائیں اور تمام سُنّی افغانستان چلے جائیں۔ تو کیا پاکستان کو رام کے حوالے کر جائیں یا نہرو کی نہر میں ڈبو جائیں۔ مالکم کیف تحکمون ٥

معارف اسلام۔ گورنمنٹ عالیہ پاکستان سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے۔ اور یہ ہر امن پسند مسلمان کے دل کی آواز ہے کہ اس مولوی کے منہ میں دائمی لگام دی جائے۔ صرف ضلع لاہور کیلئے پابندی لگانے سے معاملہ حل نہیں ہو جاتا۔ تمام پاکستان کیلئے اور ہمیشہ کیلئے پابندی ہونا چاہئے۔ اور اس کی تخریبی کارروائیوں پر ہمیشہ کیلئے نگرانی ہونی چاہئے۔ کیونکہ اگر خود زبان سے خاموش رہا تو اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعے ملک میں انتشار پیدا کر سکتا ہے۔ تمام فسادی خواہ وہ شیعہ ہوں یا سُنّی تحقیق کرنے کے بعد ان کی ہمیشہ کیلئے تمام پاکستان میں زباں بندی ہونی چاہئے۔ مگر نیز امن کو برقرار رکھنے کیلئے بے قصوروں پر (خواہ وہ شیعہ ہوں یا سُنّی) عتاب نہ لایا جائے۔

بھارت کے تاریخ دان پنڈت

پنڈت دیوی دیال بھارت (انڈیا) کے ایک مشہور جوتشی ہیں۔ جو تقسیم ہند سے قبل لاہور میں اپنا کاروبار کرتے تھے۔ اب شرنارتھی ہو کر بھارت چلے گئے ہیں اور وہاں سے ہی اپنی مفید عام جنتری نکالتے ہیں۔ آپ اپنی جنتری بابت سال رواں یعنی ۱۹۵۵ء کے صفحہ پر "اہل اسلام کے مشہور تیوہاروں کے مختصر حالات" کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

محرم۔ یہ دن حسین کے فوت ہونے کی یادگار میں منایا جاتا ہے۔ حسین علی کا لڑکا تھا۔ اور اس کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو حضرت محمدؐ کی بیٹی تھی حسین کو ۴۹ A.H. میں بادشاہ خلیفہ زید کے حکم سے زہر دیا گیا۔ مگر وہ بچ گئے۔ پھر ۶۱ A.H. ۹ اکتوبر ۶۸۰ء یعنی ۱۰ محرم کے دن کربلا میں شہید کر دیا گیا اسی کی یادگار میں یہ دن منایا جاتا ہے۔

معارف اسلام۔ پنڈت دیوی دیال صاحب کی تاریخ دانی ملاحظہ ہو۔ یہ خلیفہ زید کہاں کا بادشاہ تھا۔ اور اس نے کون سے "حسین" کو زہر دیا تھا؟ غالباً پنڈت صاحب نے تاریخ کا یہ انکشاف اپنے علم جوتش کی بنا پر کیا ہوگا۔ اور یہ تاریخی انکشاف اسی طرح سچ ہوگا جس طرح آپ نے اسی جنتری کے ص پر "پاکستان" کے ذیل میں جوتش لگا کر لکھا ہے کہ

"بھادوں میں ڈاکٹر خان صاحب کے پھر برسر اقتدار آنے کا یوگ ہے"۔

حالانکہ ڈاکٹر خان صاحب لاہور میں بروز جمعہ تاریخ ۹ مئی سنہ رواں صبح ۷ بجے قتل کر دیئے گئے اور بھادوں کا مہینہ پنڈت صاحب کی جنتری کے مطابق ۱۷ اگست کو شروع ہوگا۔

لطیفہ ۱۔ ہمیں پنڈت صاحب کی تاریخ دانی سے ایک شامی کا واقعہ یاد آ گیا۔ تاریخ مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۳۳ میں لکھا ہے۔ کہ اہل افراد میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ جہالت ان لوگوں کی اس حد تک پہنچ چکی تھی۔ کہ ہم لوگ ایک دن حضرات ابوبکر و عمر و علی و معاویہ کا ذکر کر رہے تھے۔ کچھ عالم شامی لوگ ہماری باتیں سننے کو آ گئے۔ تو ان میں سے ایک جو ان میں زیادہ عقلمند اور دراز ریش تھا کہنے لگا کہ تم لوگ علی اور معاویہ کی بہت باتیں کرتے ہو۔ اور فلاں و فلاں کی۔ میں نے کہا۔ تم اس میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا۔ کس کی نسبت پوچھتا ہے؟ میں نے کہا۔ علی کی نسبت۔ اس نے کہا علی تو وہی نہیں جو فاطمہ کا باپ ہے؟ میں نے کہا فاطمہ کونسی؟ کہا جو نبی کی بیوی اور حضرت عائشہ ہمشیرہ معاویہ کی بیٹی ہے اور کون؟ میں نے کہا۔ پھر علی کا قصہ کیا ہے؟ اس نے کہا۔ کہ وہ جنگ حنین کے اندر بیچارہ قتل ہو چکا ہے۔ انتہی۔ غالباً اس شامی کے پاس بھی پنڈت صاحب کی جنتری ہوگی جسے دیکھ کر اس نے جوتش کے ذریعہ یہ شجرہ نسب بیان کیا ہوگا۔

دراصل یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ حضرت علی علیہ السلام کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۹۵ طبع مصر میں ہے کہ حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ آپ قال رسول اللہ بیان کرتے ہیں حالانکہ آپ نے زمانہ رسولؐ کو نہیں پایا۔ پھر رسولؐ سے کیسے حدیث بیان کرتے ہو حسن بصری نے جواب دیا جو کچھ میں اس طرح بیان کرتا ہوں وہ جناب علی بن ابیطالب سے بیان کرتا ہوں۔ مگر ایسے زمانہ میں ہوں

کہ میں علی کا نام نہیں لے سکتا یعنی حجاج کے خوف سے۔ انتہی

لطیفہ نمبر۲ اسی سلسلہ میں ایک اور لطیفہ بھی سن لیجئے۔ مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ میں ہے:
ذکر بعض الاخباریین انه قال رجل من اهل الشام من زعماء هم واهل الرای والعقل منهم من ابوتراب هذا الذی یلعنه الامام علی المنبر قال اراه لصا من لصوص الفتن یعنی معاویہ کے انتظام کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ لوگ علیؓ کے مرتبہ اور شان سے اتنے نا آشنا ہو گئے۔ کہ شامیوں کے عقلمند آدمی سے ابوتراب کی شخصیت پوچھی گئی کہ جس ابوتراب کو امام معاویہ لعنت کرتا ہے۔ کون آدمی ہے؟ شامی نے کہا۔ کہ میرے علم کے مطابق وہ کوئی فتنہ باز، چور اور ڈاکو آدمی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

حقیقت میں یہ دشمنان اہلبیت رسولؐ کی ایک گہری سیاسی چال تھی۔ تاکہ آنے والی نسلیں اہلبیت کی شان و منزلت بلکہ ان کے رسول اللہ صلعم سے نسبی تعلقات وغیرہ سب بھول جائیں۔ استغفراللہ

واضح رہے کہ پنڈت دیوی دیال صاحب نے اپنی جنتری ۱۹۵۸ء میں جو کچھ لکھا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی نہیں ہے۔ بلکہ سالہا سال سے آپ یہی "تاریخی انکشاف" حرف بحرف اپنی جنتریوں میں لکھ رہے ہیں۔ تصدیق کیلئے سال ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء کی جنتریاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ افسوس ہے کہ جو شخص تاریخ سے ذرہ بھر بھی مس نہیں رکھتا وہ اسلامی تاریخ لکھنے بیٹھ جاتے۔ کیا بھارت میں کوئی مسلمان ایسا نہیں جو پنڈت صاحب کے اس "تاریخی بیان" پر نوٹس لے۔ اور انہیں کوئی اچھی سی تاریخ کی کتاب دکھا کر صحیح واقعات سمجھائے۔

چوری کی انوکھی سزا

وی آنا (آسٹریا) سے ۱۴ راپریل کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ نے مندرجہ ذیل اطلاع دی:

"پولینڈ کی ایک عدالت نے مقامی ہسپتال کی ایک نرس کو اس بنا پر سزائے موت تجویز کی ہے کہ مجرمہ نے ہسپتال سے اسٹریپٹو مائی سین اور دوسری دوائیں چرا کر کہیں فروخت کر دی تھیں۔ عدالت نے مجرمہ کو سزا دینے کے اسباب میں لکھا ہے کہ ہسپتال میں ان ادویات کی عدم موجودگی کے باعث متعدد زیر علاج مریض جان سے جاتے رہے۔ اور اگر وہ دوائیں جو اس نرس نے سرقہ کر لی تھیں وقت پر مل جاتیں تو زندہ رہ سکتے تھے۔"

یہ وہ سزا ہے جو ایک غیر اسلامی عدالت نے دی ہے۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس سزا میں

وہی اصول مضمر ہے جو اسلام نے مقرر کیا ہے یعنی من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ط ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً (پ ۶ مائدہ ع ۵)

ترجمہ: جو شخص کسی نفس کو بغیر دوسرے نفس کے قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد کے قتل کر ڈالے پس ایسا ہے گویا کہ اس نے کل آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک نفس کو زندہ کر دیا۔ تو گویا اس نے کل آدمیوں کو زندہ کیا۔

اس نرس نے اتنی ضروری ادویات جن پر لاکھوں انسانوں کی زندگی کا انحصار تھا چرا کر بے شمار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا ذریعہ بنی۔ لیکن حکومت پولینڈ نے اس نرس کو موت کی سزا دیکر احیا الناس جمیعا کے تحت لاکھوں انسانوں کو زندگی بخشی۔ اگر اس نرس کی اس حرکت پر صرف احتساب کیا جاتا۔ تو خدا جانے وہ اس طرح کے اور کتنے انسانوں کو موت سے ہمکنار کرتی۔ حکومت پولینڈ کا یہ اقدام اسلامی اصول "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب (پ ۲ بقرع ۶) کے مصداق ہے۔

کیا ہماری پاکستان گورنمنٹ یا عدالتیں اس مثال سے سبق لینگی؟

حیرت کا مقام ہے کہ مسلمان دوکاندار ہر شئے میں کھوٹ ملا کر بیچ رہے ہیں۔ دوائیاں جن پر انسانوں کی زندگی کا دارومدار ہے۔ بلیک مارکیٹ میں فروخت ہو رہی ہیں۔ ہسپتالوں میں سوائے ایکوا پیورا (ACQUA PURA) (خالص پانی) کے کوئی مکسچر صحیح نہیں ملتا۔ کیونکہ جس قدر دوائیں مریضوں کے استعمال کیلئے مہیا کی جاتی ہیں۔ وہ ان پر استعمال کرنے کی بجائے بلیک مارکیٹ میں پہنچ جاتی ہیں۔ روزانہ اخبارات میں اس ظلم کے خلاف آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں۔ لیکن ؎

صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

فاعتبروا یا اولی الابصار

دم نزع آخری خواہش

اہلحدیث فرقہ کا مذہبی آرگن "الاعتصام" اپنی اشاعت مورخہ ۲۳ مئی ۵۸ء میں رقمطراز ہے "۱۳ مئی ۱۹۵۸ء کو لائل پور ڈسٹرکٹ جیل میں گوجرہ کے ایک شخص مسمی محمد شفیع کو قتل کے سلسلہ میں پھانسی دی گئی۔ اس سلسلہ میں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ملزم کی آخری خواہش کی تعمیل کیلئے کل اتوار کے دن فرمائشی گانوں کا پروگرام سنوایا گیا۔ مسلمانوں کے نزدیک انسان کا خاتمہ بالخیر اور اس کے آخری لمحات زندگی بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن ان حالات میں اگر ایک انسان بجائے الی اللہ حسنات کی طرف رغبت اور سیئات سے تائب ہونے کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔ اور اس کے آخری لمحات

زندگی کی تان اُن حقیقی اور ذہنی گانوں کی تمنا پر جا کر ٹوٹتی ہے۔ تو اس کی بدنصیبی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ یہ کسی ایک فرد کی موت نہیں، بلکہ صحت مند معاشرہ کی دردناک موت ہے۔

سینما بینی کا یہ ترقی پذیر ذوق فکر و نظر کی ضیافت طبع کی حدود سے نکل کر انسان کے ایمان اور خاتمہ کے گریبان اور دامن پر ہاتھ ڈال چکا ہے۔ خدا خیر کرے"۔

معارف اسلام۔ ہر انسان خواہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کی دلی دعا یہی ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو۔ لیکن مسلمان کیلئے یہ دعا اور خواہش یومیہ وظیفہ کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے بُری موت کیا ہو گی کہ ایک مسلمان بے ایمان مرے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ عدیلہ ایک شیطان ہے۔ جو انسان کا بدترین دشمن ہے۔ اور مرتے وقت صدہا وسوسے دے کر مرنے والے کا دھیان دنیا اور اس کے لہو و لعب کی طرف لگا دیتا ہے۔ اور مختلف صورتوں میں آ کر محتضرین کو بہکاتا ہے۔ اور جبراً ایمان چھین کر لے جاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ المرء یموت علی ما عاش و یحشر علی ما مات یعنی جس حالت پر آدمی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اسی حال پر مرتا ہے اور جس حال پر مرتا ہے۔ اسی حال پر اس کا حشر ہو گا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر آدمی کے حالات مختلف ہوتے ہیں مگر مرتے وقت وہ حال غالب ہوتا ہے جو زیادہ تر دل میں سمایا ہوتا ہے۔ اسی شغل اور خیال میں اس کا حشر ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ من احب حجراً حشرہ اللہ معہ یعنی جس نے کسی پتھر کو بھی دوست رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے ساتھ محشور کریگا۔

تختۂ دار پر جان دینے والے محمد شفیع کی آخری خواہش برائے سماع غنا مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے۔

آئیے۔ فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کریں۔ شب عاشورہ آپ نے عمر ابن سعد سپہ سالار لشکر یزید سے صرف ایک رات کی مہلت طلب کی۔ کیوں؟ کیا راگ رنگ اور عیش و عشرت کیلئے؟ نہیں، بلکہ خوب جی کھول کر عبادت الٰہی کرنے کیلئے۔ چنانچہ یہ سب رات آپ نے بیدار رہ کر اپنے اصحاب کے ساتھ عبادت الٰہیہ میں گذاری۔ اللہ۔ اللہ۔ تبھی آپ نفس مطمئنہ کہلائے۔

اخلاقی فرض:۔ اگر ابھی تک معارف اسلام کا سالانہ بدل اشتراک آپ کے ذمہ ہے۔ تو آپ فوراً ارسال فرمادیں۔ (ادارہ)

تحفظ شعائر اللہ ایمان میں داخل ہے

محمدی کپتان سید حسین شاہ صاحب صدر انجمن امامیہ میرپور (آزاد کشمیر) کی جانب سے مندرجہ ذیل تجاویز موصول ہوئی ہیں:-

"عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کے لوازمات یعنی ذوالجناح، علم، تعزیہ و دیگر سامانِ بکا شعائر اللہ میں سے ہیں۔ کیونکہ یہ مہیج بکا ہیں۔ اور بکا علی الحسینؑ عبادت ہے اور عبادت کا مقدمہ بھی عبادت ہوتا ہے۔ اہلبیت رسولؐ چونکہ حرمات اللہ میں داخل ہیں۔ ان کی یاد اور اُن کا ذکر بھی اللہ کو یاد دلاتا ہے۔ اور یہ کارِ ثواب ہے۔ مرسلین اور اُن کی اہلبیت اور دیگر مومنین کا ذکر موعظہ میں شامل ہے ان کے حالات اور قصص کے پڑھنے کو خدا موعظہ و ذکر للمومنین و ذکر اولی الالباب سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اُن کے حالات سے استفادہ اٹھانا علامت ایمان اور اتقا ہے۔

مانعانِ مراسم عزائے حسینؑ قرآن اور حدیث کی روشنی میں تعصب کی عینک کو اُتار کر اگر دیکھیں تو کوئی وجہ نزاع ہی نہیں پیدا ہوتی۔ وہ ذرا تابوت سکینہ میں بقیہ ترکہ آلِ موسیٰ و ہارون مندرجہ تفسیر جلالین و روضۃ الصفا و دیگر تفاسیر کو دیکھیں اور عداوتِ آلِ محمدؐ کو کم کریں۔

تماثیل و محاریب اور ناقہ صالح علیہ السلام مندرجہ قرآن شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ خدا غازیوں کے گھوڑوں کی قسم سورہ والعادیات میں کھاتا ہے۔ تو کیا حضرت حسین علیہ السلام کے گھوڑے مرتجز یا ناقہ قصویٰ جو زیر ران رسول اکرم صلعم اکثر رہے ہیں۔ میدان کربلا میں بھی زیر رانِ حسینؑ تھا۔ باعث عزت و احترام نہ سمجھنا شقاوت نہیں تو اور کیا ہے؟

جبکہ فضیلت نسبتی اور اضافی سے کسی کو بھی انکار نہیں علم رسولؐ یعنی علم عباسؑ کی توہین کرنے والے تعزیہ اور ذوالجناح کی تذلیل کرنے والے اُس نسبت کی توہین کرنے والے ہیں جن کی طرف یہ منسوب ہیں۔ مرکب رسول صلعم اور نعلین مبارک رسول صلعم جبکہ اُن کا بوسہ دینا اور نقش نعل نبوی کو چہرے پر برکت کیلئے ملنا درود شریف و کلمہ طیبہ پڑھنا۔ برکات شفا کیلئے پُر تاثیر نقل کیا گیا ہے۔ تو راکب دوشِ رسولؐ کی منسوبات کو بنظر تذلیل دیکھنا اور اُن کا توہین کرنا اور جلانا دعوائے اسلام اور ایمان کی تصدیق کا کس حد تک ضامن ہو سکتا ہے؟

اہلسنت حضرات اہل شیعہ و دیگر حضرات ہموطنانِ پاکستان کی طرح مراسم عزاداری حضرت

حسینؑ کو سرمایہ ایمان جان کر اور مجالس جلوس۔ ماتم۔ نوحہ خوانی۔ تعزیہ ذوالجناح و علم کو بحیثیت شعائر اسلامی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت میں سرمایۂ ایمان سمجھ کر بڑے انہماک اور اشتیاق سے آباؤ اجداد مناتے چلے آتے ہیں۔ اور پیغمبر اسلام کو نوری سمجھنا۔ انبیاء و شہداء علیہم السلام کو زندہ جاننا۔ انبیاء اولیا اور اہلبیتؑ کو ذریعہ نجات و وسیلہ سمجھ کر پکارنا۔ مزارات اولیاء کی تعظیم تحفظ و عرس و نقل نعلین رسول کریمؐ کو محبت سے بوسہ دینا۔ عید میلاد و عرس بزرگانِ دین کو اہتمام سے منانا نذر و نیاز اللہ برائے ثواب بزرگانِ دین کو جائز جاننا حنفی عقیدہ کے مسلمانوں و علماء اہلسنت میں مراسم مذہبی عملی ہر سال ہمیشہ سے رائج ہیں۔ اور یہ اعمال مباح۔ برکت اور ثواب میں داخل ہیں پس ایسے مذہبی رسومات کے مجمع و جلوس کو درہم برہم کرنا اور مذہبی خیالات کی جذبات نیت سے توہین لکھ کر یا تلفظ سے کرنا۔ مذہب کی توہین کرنا دفعات ۲۹۵ الف۔ ۲۹۶ و ۲۹۸ تعزیرات پاکستان کی رو سے موجب سزا اور جرمانہ ہے۔ اس لئے ان امورات کی تحفظ اور بقا کیلئے نہ صرف شیعہ حضرات کی تنظیم بنائی جائے۔ بلکہ ان عقائد مذہبی کو شعائر و آثار جاننے والے حضرات اہلسنت حنفی مسلمانوں کی بھی ہر شہر و قصبہ و علاقہ تحصیل و اضلاع پاکستان میں مشترکہ اور متحدہ کمیٹیاں اور انجمنیں بنا کر ایک تحفظ مرکزی بورڈ بنایا جائے۔ اور بڑے بڑے شہروں میں اس تنظیم کو محرم ۱۳۷۸ھ سے پہلے مکمل کر لیا جائے۔ تاکہ مذہبی مراسم میں خلل اندازی کرنے والے مجرمین کو قانون پاکستان کے مطابق عدالتوں سے سزائیں دلا کر ان جرائم کا سدباب کیا جا سکے"۔

معارف اسلام: ہمیں ان تجاویز سے کلی طور پر اتفاق ہے۔ عزائے امام حسین علیہ السلام سب مسلمانوں کی مشترکہ ہے۔ اسلئے اس کے انتظام کیلئے سنی و شیعہ کی مشترکہ کمیٹیاں بننا چاہئیں۔ اس ضمن میں محترم ڈپٹی کمشنر صاحب لاہور مستحق مبارکباد ہیں۔ یکم فروری کے روزنامہ اخبارات پاکستان ٹائمز وغیرہ میں یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ شیعہ و سنی علما و لیڈران کی مشترکہ میٹنگ بلائی گئی اور اتحاد بین الفریقین کیلئے مشترکہ جلسے کرنے کی تجاویز پاس ہوئی۔ اور عوام سے اپیل کی گئی کہ ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ اور کسی فرقے کے مذہبی رسوم کی مخالفت میں ہڑتال یا روشنی بند کریں۔ یہ جذبہ بجائے اتحاد کے مخالفت پیدا کرتا ہے۔ ہماری حکومت عالیہ و عامۃ المسلمین سے دلی طور پر درخواست ہے۔ کہ انتظامات عزاداری امام مظلوم کیلئے بھی سنی و شیعہ کی مشترکہ کمیٹیاں بنائی جائیں۔ شیعہ صاحبان اپنی مجالس و جلوسوں کے پروگرام مشترکہ بنانے کیلئے سنیوں کو اور سنی اپنے جلوسوں اور محافل کے پروگراموں میں شیعوں کو شریک کریں تاکہ جذبہ تعاون سے اتحاد و اتفاق و محبت بڑھے اور صدقہ رسولؐ رب العالمین آپ پر اپنی رحمت برسائے

(بقیہ صفحہ ۱۸ پر)

اختلاف احادیث کے وجوہ و اسباب

اور محدثین کی اقسام

(بزبان امیر المومنینؑ)

وقد سألهٔ سائل عن احادیث البدع وعمّا فی ایدی الناس من اختلاف الخبر فقال علیه السلام ان فی ایدی الناس حقًّا و باطلاً، وصدقاً وکذباً، وناسخاً ومنسوخاً وعاماً وخاصاً ومحکماً ومتشابهاً، وحفظاً ووهماً۔ ولقد کذب علیٰ رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علیٰ عهدهٖ حتیٰ قام خطیباً فقال من کذب علیَّ متعمداً فلیتبوّأ مقعدهٗ من النار۔ وانما اتاک بالحدیث اربعة رجال لیس لهم خامس رجلٌ منافق مظهر للایمان متصنع بالاسلام لا یتأثم ولا یتحرج، یکذب علیٰ رسول الله صلی الله علیه وآله متعمداً فلو علم الناس انه منافق کاذب لم یقبلوا منه ولم یصدقوا قولهٗ، ولکنهم قالوا صاحب رسول الله

ایک شخص نے آپ سے من گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ

لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط سب ہی کچھ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا کہ "جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے"۔ تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں۔ ایک تو وہ کہ جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ، وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنا لیتا ہے نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے وہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ پر جھوٹ باندھتا ہے اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے۔ لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا صحابی ہے اس نے آنحضرتؐ

صلی اللہ علیہ وآلہ ورآہ وسمع منہ ولقف عنہ فیاخذون بقولہ، وقد اخبرک اللہ عن المنافقین بما اخبرک، ووصفہم بما وصفہم بہ لک، ثم بقوا بعدہ علیہ وآلہ السلام تقربوا الی ائمۃ الضلالۃ والدعاۃ الی النار بالزور والبہتان، فولوہم الاعمال وجعلوہم حکاما علی رقاب الناس، فاکلوا بہم الدنیا وانما الناس مع الملوک والدنیا الا من عصم اللہ فہو احد الاربعۃ

کو دیکھا بھی اور اُن سے حدیثیں بھی سنی ہیں اور آپ سے تحصیل علم بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اُس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی آگاہ کر دیا ہے پھر وہ رسولؐ کے بعد بھی باقی و برقرار رہے اور کذب و بہتان کے ذریعہ گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلاوا دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے اُن کو اچھے (اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا اور اُنکے ذریعے سے اچھی طرح دُنیا کو حلق میں اُتارا اور لوگوں کا تو یہ قاعدہ ہے ہی کہ وہ بادشاہوں اور دنیا (والوں) کا ساتھ دیا کرتے ہیں مگر سوا اُن (محدودے چند افراد) کے جنہیں اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

ورجل سمع من اللہ شیئاً لم یحفظہ علی وجہہ فوہم فیہ ولم یتعمد کذبا فہو فی یدیہ یرویہ ویعمل بہ ویقول انا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فلو علم المسلمون انہ وہم فیہ لم یقبلوہ منہ، ولو علم ہو انہ کذلک لرفضہ

چار میں سے ایک تو یہ ہوا اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے (قول رسولؐ) رسول اللہ سے سنا لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اس میں اسے سہو ہو گیا یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا یہی کچھ اس کے دفتر میں ہے اسے ہی دوسروں سے بیان کرتا ہے اور اسی پر خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے سنا ہے اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کی یادداشت میں بھول چوک ہو گئی ہے تو وہ اسکی بات کو نہ مانتے اور اگر خود بھی اسے اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

ورجل ثالث سمع من رسول اللہ

تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

صلی الله علیه وآله شیئاً یأمر به ثم نهی عنه وهو لا یعلم، او سمعه ینهی عن شیء ثم امر به وهو لا یعلم فحفظ المنسوخ ولم یحفظ الناسخ فلو علم انه منسوخ لرفضه، ولو علم المسلمون اذ سمعوه منه انه منسوخ لرفضوه

کی زبان سے سنا کہ آپ نے ایک چیز کے بجا لانے کا حکم دیا ہے پھر پیغمبر نے تو روک دیا لیکن یہ اسے معلوم نہ ہو سکا یا یوں کہ اس نے پیغمبر کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے سنا پھر آپ نے اس کی اجازت دیدی لیکن اسکے علم میں یہ چیز نہ آسکی اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا اور (حدیث) ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا اگر اسے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اگر اسکے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے

وآخر رابع لم یکذب علی الله ولا علی رسوله، مبغض للکذب خوفاً من الله وتعظیماً لرسول الله صلی الله علیه وآله ولم یهم بل حفظ ما سمع علی وجهه فجاء به علی ما سمعه لم یزد فیه، ولم ینقص منه، فحفظ الناسخ فعمل به، وحفظ المنسوخ فجنب عنه وعرف الخاص والعام فوضع کل شیء موضعه وعرف المتشابه ومحکمه

اور چوتھا شخص وہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ خوف خدا اور عظمت رسول کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے اسکی یادداشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی بلکہ جس طرح سنا اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا۔ نہ اس میں کچھ بڑھایا نہ اس میں سے کچھ گھٹایا حدیث ناسخ کو یاد رکھا تو اس پر عمل بھی کیا۔ حدیث منسوخ کو بھی اپنی نظر میں رکھا۔ اور اس سے اجتناب برتا وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے اور ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے اور یونہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے

وقد کان یکون من رسول الله صلی الله علیه وآله الکلام له وجهان: فکلام خاص وکلام عام فیسمعه من لا یعرف ما عنی الله به ولا ما عنی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، فیحمله السامع و

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کا کلام دو رخ لئے ہوتا تھا۔ کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتا تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو سمجھ ہی نہ سکتے تھے کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اس سے مقصد کیا ہے تو یہ

یوجهه علی غیر معرفة بمعناه وما قصد به وما خرج من اجله. ولیس کل اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم من کان یسأله ویستفهمه حتی ان کانوا لیحبون ان یجیٔ الاعرابی والطاری فیسأله علیه السلام حتی یسمعوا. وکان لا یمر بی من ذالک شیٔ الا سألت عنه وحفظته. فهذه وجوه ما علیه الناس فی اختلافهم وعللهم فی روایاتهم (نہج البلاغہ)

سننے والے اسے سن تو لیتے تھے اور کچھ اس کا مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے۔ مگر اس کے حقیقی معنی اور مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے اور نہ اصحاب پیغمبر میں سب ایسے تھے کہ جنہیں آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آ جائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سُن سنا لیں۔ مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گزرتی تھی مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد رکھتا تھا یہ ہیں لوگوں کے احادیث و روایات میں اختلاف کے وجوہ و اسباب۔

(ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ)

(بقیہ صفحہ ۱۴)

گفتنی ہا

یومِ تکمیلِ دین

یہ شرف محض اسلام ہی کو حاصل ہے۔ کہ اسے دین کامل کہا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ گزشتہ انبیا کے ادیان بھی خدا ہی کی طرف سے تھے۔ مگر وہ کامل نہ تھے کیونکہ وقتی تھے۔ "اسلام" خدا کا آخری پیغام ہے اور قیامت تک کیلئے انسانوں کی ضروریات کا کفیل ہے۔ لہذا اسے دین کامل کہا گیا۔ اور قرآن میں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ پ ۶) فرما کر اسے وہ عزت بخشی جو اور کسی دین کو حاصل نہیں۔ ہم عموماً قسم قسم کے یوم مناتے رہتے ہیں۔ مگر یہ وہ مخصوص دن ہے جسے خود خداوند تعالےٰ نے قرآن میں "الیوم" کہہ کر پکارا ہے۔ دین کیلئے اسکے کامل اور اکمل ہونے سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔ کاش کہ تمام مسلمان مل کر ۱۸ ذوالحجہ کو یہ یوم منائیں۔ اور اسلام کی برتری سب پر ثابت کریں۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸ ذوالحجہ کو اس آیت کے نزول سے قبل پیغمبر رسول نے غدیر خم کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد کیلئے من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ فرما کر تمام مسلمانوں کا مولا یعنی امیر بنا دیا (الولی مولا بہ آں معنی کہ پیغمبر بود مولا) جسکے فوراً بعد آیت تکمیل دین نازل ہوئی۔ قریباً تمام مستند کتب تفسیر اس پر گواہ ہیں۔ کیا شیعہ مسلمانوں کے اس دن "عید غدیر" منانے کی وجہ سے بقایا تمام مسلمان "یوم تکمیل دین" کی اہمیت کو نظر انداز کر دیں؟ (ادارہ)

(معاشرہ سازی)

اقامت صلوٰۃ

(از قلم سید جواد حسین شاہ نقوی (اسلامک ریسرچ سنٹر) بھکر ضلع میانوالی)

قرآن حکیم میں بار بار ارشاد ہوتا ہے یا ایھا الذین امنو اقیمو الصلوٰۃ اے پیروان دعوت ایمانی صلوٰۃ کو قائم کرو قرآنی اسلوب بیان سے ذرا سا واقف انسان اس امر سے واقف ہے کہ جب قرآن کسی قانون یا عبادت کو نافذ کرتا ہے تو وہ اس کے مقاصد یعنی طریقہ (THE WAY OF IT) کو بھی ساتھ ساتھ دہرا دیتا ہے۔ تاکہ یہ مقاصد پیش نظر رہیں۔ اور اس نہج پر زندگی گزارنے والے انسان کم از کم یہ تو دیکھ لیا کریں کہ قرآن نے جس نظام کی نشاندہی کی ہے کیا ان فرائض کو انجام لانے سے اسی قسم کے نتائج مترتب بھی ہو رہے ہیں۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو ہم قرآنی نقطہ نگاہ سے بہت دور اور اگر اثبات میں ہے تو قرآنی مقاصد سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ چنانچہ بار بار ارشاد ہوتا ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر بے شک فریضہ صلوٰۃ فحاشی اور منکرات سے بچاتا ہے۔ دیکھا آپ نے اس مختصر سے جملے میں اقامت صلوٰۃ کی غایت کس خوبی سے سمو دی گئی۔ تاکہ پیروان دعوت ایمانی جب بھی اس فریضہ کو ادا کریں۔ ان کے پیش نظر یہ مقاصد ہر وقت رہیں۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ قیام الصلوٰۃ قرآن کی ایک نہایت جامع اور بلیغ اصطلاح ہے جس کا مقصد درحقیقت اس معاشرے کا قیام ہے جس میں قانون خداوندی عملاً نافذ ہو اور اس طرح ہر فرد معاشرہ کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوتی چلی جائے۔ تاکہ وہ اس زندگی کی سرفرازیوں سے بہرہ یاب ہوتا ہوا اپنے ارتقائی منازل طے کرتا چلا جائے۔ لہٰذا نظام الصلوٰۃ ایک مرد مومن یا جماعت مومنین کی پوری کی پوری زندگی کو محیط ہوگا۔ ان کا ایک ایک سانس اس حقیقت کبریٰ کا شاہد ہوگا کہ وہ مصلی (فریضہ صلوٰۃ کو انجام لانے والے ہیں) ان کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک شعبہ عبادت کا مظہر ہوگا۔ ان کے کاروبار حیات کا نظم سامنے آ جائے تو وہ منشائے خداوندی کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیگا۔ اس اجتماعی نظام سے وابستگی بلکہ یوں کہیے کہ خود ان کے لاینفک اجزا اور کارفرما ہونے کی بنا پر ان کی حیات ارضی از ابتدا تا انتہائے اسلام کی جامع تفسیر ہوگی۔ بہرحال قرآن کے اس اہم نظام سے واقفیت کی خاطر "نظام صلوٰۃ" کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا حصہ نظریاتی بحث کے تحت میں اور دوسرا

حصہ عملی بحث کے سلسلہ سے متعلق ہوگا۔ کیونکہ قرآنی اسلوب بیان بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ اس پر نظریاتی (IDIOLOGY) اور عملی (PRACTICAL) دو طریقوں سے بحث کی جائے۔

۱۔ نظریاتی بحث

جہاں تک نظام الصلوٰۃ کی نظریاتی بحث کا تعلق ہے اس کو ہم مندرجہ ذیل تنقیحات کے تحت شروع کرتے ہیں۔

۱۔ "صلوٰۃ سے کیا مراد ہے"۔ (پہلی تنقیح)

اس سے قبل بتلا چکے ہیں کہ "قیام الصلوٰۃ" ایک نہایت جامع نظام ہے اور اس نظام کا مقصد معاشرہ کو پاک و پاکیزہ بنانا ہے۔ لہٰذا نظریاتی طور پر وہ تمام چیزیں اس نظام میں شامل ہونگی جو اس کے بلند مقاصد کو پورا کر سکیں۔ بقول صاحبان تفسیر بالرائے اس نظام کے مندرجہ ذیل اجزا ممکن ہو سکتے ہیں

۱۔ قرآن۔ یعنی ضابطہ آئین اسلام
۲۔ مرکز۔ یعنی ضابطہ خداوندی کی قوت نافذہ اور
۳۔ جماعت۔ افراد معاشرہ جن سے یہ نظام متشکل ہوگا

اور اسکی عملی تشکیل کے اصول و مبانی
(ا) افراد معاشرہ جن سے یہ نظام متشکل ہوگا ان میں کامل اتحاد۔ یکدلی و یکجہتی و یک قدمی اور
(ب) مرکز کی اطاعات

(قرآنی فیصلے محترم پرویز صٓ پر اس کی تائید موجود ہے)

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ یہ نظام جماعت مومنین کی پوری کی پوری زندگی پر چھایا ہوتا ہے۔ اور دن رات ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں وہ اس کے احاطے سے باہر ہوں۔ یہ ان کی حیات انسانی کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو ان کی طبعی حیات "کیلئے ہوا کی حیثیت ہے۔ ہوا پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں جو اس کی ضرورت اور اہمیت کا معترف نہ ہو لیکن بایں ہمہ ڈاکٹروں کو اکثر و بیشتر یہ فقرہ دہرانا پڑتا ہے کہ صحت اور زندگی کے لئے کھلی اور تازہ ہوا کی اشد ضرورت ہے دہرانا اس لئے پڑتا ہے کہ کسی شے کی یاد دہانی (ذکر) سے اس کی اہمیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ آئین خداوندی نے اس کا انتظام کر رکھا ہے کہ اس نظام کی بار بار یاد دہانی کرائی جائے۔ تاکہ اس کے اصول و مبانی اجاگر ہوتے رہیں اور اس کی اہمیت نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس یاد دہانی کا نام صلوٰۃ کا فریضہ موقت ہے۔ یعنی خاص اوقات کا اجتماع صلوٰۃ۔

دین کے نظام اسلامی معاشرہ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ تو رہ فلاح کی زندگی انفرادی

نہیں۔ اجتماعی ہے۔ اجتماع صلوٰۃ کی ابتدا اسی اصول سے ہوتی ہے کہ ایک دعوت پر بکھرے ہوئے افراد کا جمع ہونا۔ دین کے نظام میں اگلا قدم اطاعت مرکز ہے، اجتماع صلوٰۃ میں اسکی مظاہرہ عملی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ جب یہ اجتماع اپنے میں سے سب سے بہتر افراد کو بحیثیت امام چن لیتا ہے یہی امام اس اجتماع کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس ایک کی آواز پر سب کو اٹھنا ہوتا ہے اور اسی کی آواز پر جھکنا اور یہ جھکنا اور اٹھنا ایک ساتھ ہوتا ہے جو شہادت دیتا ہے اس حقیقت کبریٰ کی کہ اس جماعت کے افراد میں کامل ہم آہنگی اور فکر و عمل رہے۔ اس سے معاشرے کی ناہمواریاں مٹتی ہیں۔ دین کے نظام کا اگلا اصول یہ ہے کہ نظام عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اس کا مرکز محسوس بیت اللہ ہے۔ لہٰذا اجتماع صلوٰۃ میں اس حقیقت کی یاد دہانی کے لئے جماعت کا رُخ قبلے کی طرف رکھا جاتا ہے یعنی ساری دنیا کے مسلمانوں کا سطح نگاہ اور نصب العین ایک ہوگا۔ اسلامی معاشرے کا قیام قانون خداوندی کی رُو سے ہوتا ہے اور اجتماع صلوٰۃ سے مقصود اس اصل الاصول کی یاد دہانی ہے۔ اس لئے قرآن کے بغیر صلوٰۃ کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کی غایت ہی افراد معاشرہ کی توجہات کو قرآن پر مرکوز کرنا ہے۔ اس مقصد کی یاد دہانی کے لئے یہ اجتماعات رکھے گئے ہیں اس لئے ان میں قرآن دہرایا جاتا ہے تاکہ ایمان کی نتیجہ یہ ہوتی رہے کہ ہم نے غیر اسلامی نظام کی مخالفت میں سینہ سپر ہو کر قائم رہنا ہے اور جھکنا ہے تو صرف اسی کے فیصلوں کے سامنے جھکنا ہے۔ قرآن کا یہ مقام اس لئے ہے کہ انسانی ذہن کا وضع کردہ قانون نہیں بلکہ اس خدا کا متعین فرمودہ ہے ضابطہ حیات ہے۔ جو زندگی کے سرچشمہ اور ربوبیت کا کفیل ہے جس کی ذات زندگی کے تمام متنوع گوشوں میں کامل توازن احسن کی مظہر اتم ہے۔ لہٰذا وہی معاشرہ بہترین توازن احسن کامل کا آئینہ دار ہو سکتا ہے جس میں اس کی صفات منعکس ہوں۔ اجتماع صلوٰۃ میں قرآن کو سامنے لانے سے یہ تمام تصورات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ ایک ایک کر کے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

عملی بحث

قصہ مختصر کہ اتنی تشریح کے بعد جس کی ہم نے نشاندہی کی ہے۔ یہ سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے کہ اس نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مندرجہ انتظامات کرنے ہونگے۔

(۱) تعلیم قرآن (۲) اطاعت مرکز کا تعارف

(۳) جماعت کی تیاری (۴) معاشرہ کا تزکیۂ اخلاق

"نظام صلوٰۃ سے متعلق رسول خدا کے ممکن عملی اقدامات"

اب آپ غور کریں کہ ایسا نظام جو دین کی ایک مختصر جزوی شکل (MINIATUE REFORM) تھا۔ کیا قرآن کی مرکزی اتھارٹی (رسول اکرمؐ) اس بارہ میں بالکل خاموش رہی ہوگی۔ ہرگز نہیں! آپ سورہ جمعہ کو پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مرکزی اتھارٹی کے ذمے کیا فرائض تھے۔ ارشاد ربانی ہے

هو الذی ارسل فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم اٰیٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة ... انتهی (القرآن)

وہ ذات جس نے اُمیّین میں ایک رسول (مرکزی اتھارٹی) کو مبعوث کیا (اور اس کے ذمے یہ فرائض لگائے) کہ وہ آیات الٰہی کی تلاوت کرے اور تزکیہ اخلاق کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔

اس آیت سے اُن ہی عملی اقدامات کی نشاندہی ہوتی ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا۔ کہ اگر قرآنی مرکزی اتھارٹی اس نظام کو نافذ کرنا چاہے تو وہ کیا اقدامات اختیار کرے گی۔ اب ہم باری باری ان فرائض کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ تعلیم قرآنی

نظام الصلوٰۃ کے لئے پہلا عملی قدم قرآن حکیم کی تعلیم تھی۔ آپؐ نے اسکو اس حد تک پورا کیا۔ جس حد تک ممکن تھا۔ حتیٰ کہ قرآن نے کہہ دیا۔ یتلو علیهم۔ اس میں "یتلو" کا لفظ خاص اہمیت کا حامل ہے اور اس کا مترادف لفظ "تلاوت" ہے۔ تلاوت غیر کے کلام کی امانت ہے اور اُن ہی الفاظ کو دہرانا تلاوت ہے۔ اس سرٹیفکیٹ کے بعد مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۱۱) اطاعت مرکز کا تعارف

نظام الصلوٰۃ کے لئے قرآنی فکر کی روشنی میں دوسرا اہم عملی قدم اطاعت مرکز کا ہوسکتا تھا۔ رسول اکرمؐ نے اس کو بھی پورا کیا۔ دبستان اسلام کے اس گل سرسید کا تعارف مختلف طرائق سے کرایا گیا۔ مثلاً علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی[1] جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے[2] اور غدیر خم پر تو علی رؤس الاشہاد اس کا تعارف کرایا گیا۔ ہمارا مقصد تجزیہ احوال نہیں۔ ورنہ اس نظام پر کھول کر بتلا دیتے کہ مرکزی اتھارٹی کا تعارف کس طریقے سے ہوا۔ شوق تحقیق رکھنے والے علامہ سید حامد حسین صاحب لکھنوی کی کتاب عبقات الانوار ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو ہمارے تحقیقی مساعی کا ایک شاہکار ہے۔

---

[1] علی منی بمنزلة هارون من موسیٰ [2] من کنت مولاه فهذا علیٌ مولاه۔

III معاشرہ کا تزکیہ اخلاق

رسول کریم کے اہم عملی اقدامات سے معاشرہ کا تزکیہ اخلاق تھا اور قرآنی نقطہ نگاہ سے ان پر فرض۔ تجدد پسند اصحاب بھی شاید آپ سے یہ حُسنِ ظن تو نہ رکھتے ہوں گے کہ انہوں نے اس فرض کو پورا نہیں کیا +

IV جماعت کی تیاری

رسولِ خدا نے اس نظام کو مزید مضبوطی سے چلانے کی خاطر جماعت کی تیاری کی تاکہ آپ کی وفات کے بعد یہ جماعت بھی آپ کے فرائض کو بوجہ احسن پورا کر سکے۔

یہ عملی اقدامات جن کو ہم نے مختصر طور پر اوپر بیان کیا۔ قرآن بصیرت کے موافق ممکن اقدامات تھے۔ اب ہم صلوٰۃ کے مفہوم کو ذرا تنگ کر کے موقت صلوٰۃ پر اپنی بحث کو محدود کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اقدامات صلوٰۃ کی بے پناہ وسعت کے تحت تھے۔ ہم دکھلا رہے ہیں کہ اگر صلوٰۃ کی نظریاتی بحث کو جتنا وسیع کیا جائے اُتنا ہم پر آشکارا ہوتا چلا جائیگا کہ نبی اکرمؐ نے ہر ممکن قدم اُٹھایا۔

نماز اور صلوٰۃ میں فرق کیا ہے؟ (ایک ذیلی منقیح کا جواب)

صلوٰۃ کے ذکر میں بیان ہو چکا کہ صلوٰۃ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ لیکن اُسی کو جب محدود کیا جائے تو وہی نماز ہوتی ہے۔ کیونکہ ابھی صلوٰۃ کے مفہوم میں نظریاتی طور پر ہم نے جن اجزا کو لیا وہ قرآن کی تعلیم، اطاعت مرکز کا تعارف، جماعت کی تیاری معاشرہ کا تزکیہ اخلاق تھا۔ وہیں "موقت نماز" بھی صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہے۔ ہمارے بعض تجدد پسند اصحاب نے صلوٰۃ کی نظریاتی بحث چھیڑ کر "نماز" کو اُس سے الگ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ رقمطراز ہیں:۔

"چنانچہ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ اقیمو الصلوٰۃ سے ذہن نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ اور نماز پڑھنے سے مراد ہے — خدا کی پرستش کرنا"

(اسباب زوال امت محترم پرویز)

چنانچہ قوم کوش براہ ترقی پر ڈالنے کے درپے یہ حضرات چاہتے ہیں کہ نماز کا خاتمہ ہو جائے۔ ہمارا ایک باب اسی مضمون میں ہوگا کہ "کیا نماز مسلمانوں کی راہ ترقی میں حائل ہے؟"۔ اس میں ہم ان تجدد پسند اصحاب کے عزائم کی قلعی کھولیں گے۔ یہ فرماتے ہیں۔

" صلوٰۃ — نظام دین کی محسوس شکل جس سے مقصود اس نظام خداوندی کے خدوخال اور اغراض وغایات کو بار بار ذہن میں نمایاں اور دل میں منقوش کرنا تھا تاکہ جماعت مومنین اپنی

زندگی کے مقصود و مطلوب کو ہر وقت سامنے رکھے ۔ اور اسکے حصول و قیام میں ہر ممکن کوشش کرے اس کے برعکس نماز ۔۔ خدا کی پرستش کی رسم جو ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے ۔ اور پارسیوں کے ہاں اس کا نام تک یہی ہے ۔ نبی اکرمؐ نے قرآن کے ارشادات کے مطابق نظام الصلوٰۃ کو قائم فرمایا تھا جس میں موقت اجتماعات کو خاص اہمیت حاصل تھی ۔ ہم اس رسم پرستش کو پورا کرتے ہیں جس کا تصور مجوسی اثرات کے ماتحت وجود میں آیا تھا ۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ۔"

(قرآنی فیصلے محترم پرویز)

محترم پرویز نے غیر شعوری طور پر یہاں "موقت اجتماعات" کا ذکر کیا ہے اور جانتے بھی کہ نماز اسی چیز کا نام ہے ۔ لیکن انہیں جو چیز جو یہاں پر نفرت دلا رہی ہے اور ذہنی اکراہ کا موجب بن رہی ہے وہ یہ ہے کہ :-

(۱) قوم کا نظام صلوٰۃ سے رویہ (۲) نظام الصلوٰۃ کے مفہوم میں مجوسی اثرات کا پرتو

یہ دونوں سبب تو ان کی اس تحریر میں نمایاں ہیں لیکن ذہنی اکراہ کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ "صلوٰۃ ایک رسم بن کر رہ گئی ۔ ظاہر ہے کہ اس صلوٰۃ کی رسم کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا ۔ (نہیں آسکتا تھا) اس لئے کہ جس نظام کی یاد دہانی کے لئے یہ اجتماع ہوتا تھا وہ نظام ہی گم ہو چکا تھا اب اگر ملت کا مقصود ریا وہی کرتا تو نگاہ کا رخ اس طرح ملتا کہ اس نظام کو دوبارہ قائم کرنا چاہئے جس کی یاد دہانی کے لئے یہ اجتماع مقرر کیا گیا تھا ۔ لیکن ہمارے جرائم کی سزا کی مدت چونکہ ختم نہیں ہوگی ۔ اس لئے توجہ اس طرف نہیں دی گئی ۔ بلکہ یہ سمجھ لیا گیا کہ یہی رسم مقصود بالذات ہے ۔ اگر ۔۔۔۔ اس کا کوئی نتیجہ اس وقت ہمارے سامنے نہیں آتا تو نہ سہی اس کا ثواب ضرور ہوتا ہے ۔ جو قیامت تک ہمارے سامنے آجائیگا ۔"

(قرآنی فیصلے محترم پرویز ص ۲۵ ، ۲۶)

اس حوالے سے یہ ثابت ہوگیا کہ ذہنی کراہت کا تیسرا سبب بھی قوم کا رویہ ہی ہے جسے دوسرے لفظوں میں یوں ادا کیا گیا کہ اس کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ۔ اب ان تجدد پسند اصحاب سے کوئی پوچھے کہ صاحب اسلام کے اصولوں کا تمام قوموں کو اعتراف ہے لیکن مسلمانوں کی بے عملی ان کو جھٹلا نہیں سکتی ۔ اگر آپ کو اس سے کراہت آتی ہے ۔ تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ نماز کی اہمیت کو سرے ہی سے ختم کر دیا جائے ۔ سر درد کا علاج سر کاٹنا نہیں ہوتا ۔ بلکہ اس کا علاج ہوتا ہے ۔

(باقی آئندہ)

(فضائل قرآن)

از علامہ سید ارشاد حسین کاظمی صدر ادارہ معارف اسلام

ثقلین یعنی قرآن اور تالی قرآن

گزشتہ شماروں میں بتایا جا چکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث ثقلین بیان فرما کر اپنے اہلبیتؑ کرام کو "تالی قرآن" قرار دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضورؐ نے انہیں ثقلین بصیغۂ تثنیہ یعنی دو وزنی چیزیں کیوں کہا ہے؟ حالانکہ بظاہر نہ قرآن کوئی خاص وزن رکھتا ہے نہ اہلبیتؑ کرام۔ قرآن جو بین الدفتین ہمارے پاس موجود ہے۔ اس قدر ہلکا پھلکا ہے کہ اسے دو انگلیوں پر اٹھایا جا سکتا ہے۔ کوئی بڑا وزن محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح اہلبیت عظام علیہم السلام بھی گھوڑوں خچروں اونٹوں وغیرہ پر سوار ہوتے رہے۔ پھر انہیں ثقلین کیوں کہا گیا؟ کیا ثقل اور گرانی تھی ان دونوں میں؟ جو انہیں ثقلین سے تعبیر کیا گیا۔ آیئے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ ثقل یا وزن کی تعریف کیا ہے۔ سو واضح ہو کہ قدیم فلاسفروں کے نزدیک "وزن" نام ہے کسی جسم کے "اپنے مرکز کی طرف میل کرنے کا" پس اگر اس جسم کا مرکز بلند یا علوی ہے۔ جیسے کرۂ نار اور کرۂ ہوا۔ تو اس کے میلان کا نام "خفت" ہے۔ اور اگر اس کا مرکز سفلی ہے۔ جیسے مٹی اور پانی۔ تو اس کے میلان کا نام "ثقل" ہے۔ مشہور سائنسدان سر اسحاق نیوٹن نے جب درخت سے سیب کو زمین پر گرتے دیکھا تو سوچنے لگا کہ یہ سیب زمین پر کیوں گرا آسمان کی طرف کیوں نہیں گیا؟ دائیں بائیں کیوں نہیں بھاگا؟ آخر یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ ہر شے کا میلان اس کے مرکز کی طرف ہے۔ آپ ایک پتھر یا مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اپنے ہاتھ کی پوری قوت سے آسمان کی طرف پھینکیں۔ جب تک آپ کی قوت قسری کا اثر رہیگا۔ پتھر یا ڈھیلا اوپر جاتا رہیگا جونہی اثر کم ہوگا۔ زمین کی طرف گرنا شروع ہوگا۔ اور بالآخر زمین پر گر کر دم لیگا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زمین اس کا مرکز ہے۔

پانی کا مرکز جوف زمین ہے۔ آپ کچھ پانی ایک لوہے کے گھڑے میں بند کر دیجئے۔ پانی مرکز کی طرف جانے کی کوشش کریگا۔ لیکن چونکہ گھڑے میں بند ہے۔ اسکی کوشش رائیگاں ہے اب وہ گھڑے کے لوہے کو کھانا شروع کر دیگا جس سے اسے زنگ لگنا شروع ہوگا۔ اور آخر کار زنگ لگتے لگتے ایک دن اس میں سوراخ ہو جائیگا۔ اس سوراخ سے پانی نکل کر زمین پر بہ جائیگا۔ اور آخر کار

اپنے مرکز سے جا ملیگا۔

آگ کا مرکز بلند ہے۔ آپ لاکھ کوشش کریں شعلہ آسمان ہی کی طرف جائیگا۔

ہوا کا مرکز بھی بلند ہے۔ ایک غبارہ میں ہوا بھر کر چھوڑ دیجئے وہ بلندی میں اُڑ جائیگا۔

ثابت ہوا کہ عناصر اربعہ میں سے ہر ایک اپنے مرکز کی طرف میلان طبعی رکھتا ہے۔ ہم قدما فلاسفہ جب "وزن" بولتے ہیں تو اس سے یہی "میلان طبعی" مراد لیتے ہیں +

جدید فلاسفروں کے نزدیک جو ایک ہزار ہجری سے بعد ہوئے ہیں۔ "وزن" نام ہے قوت جذب کا۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ تمام اجسام عالم میں جاذبیت پائی جاتی ہے یعنی ہر ایک شے میں قوت کشش ہے۔ یہ شے خواہ فلکی ہو یا عنصری یعنی آگ پانی۔ مٹی اور ہوا۔ ان کے نزدیک "وزن" یا "ثقل" نام ہے اس بات کا کہ جسم ماتحت فوقانی جسم کو اپنی طرف جذب کرتا ہے۔ اور "خفت" نام ہے اس امر کا کہ فوقانی جسم تحتانی جسم کو جذب کرتا ہے۔

اب جدید فلاسفروں کا یہ نظریہ بھی ہے کہ ہر بڑا جسم اپنے سے چھوٹے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہ جسم خواہ باعتبار حجم کے بڑا ہو یا باعتبار جوہر ذات کے یا باعتبار کثافت کے۔ بشرطیکہ کوئی اور قوی جسم اس کوشش سے مانع نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کل ارضی چیزیں زمین کی طرف کھینچی ہیں۔ اور بادل کے ٹکڑوں کی کشش کرۂ قمر کی طرف نہیں ہوتی۔ بلکہ قمر وغیرہ بھی زمین ہی کی طرف کھینچتے ہیں کیونکہ تحقیق جدید کی روشنی میں قمر یا چاند زمین ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسی کشش کا نام "ثقل" یا "وزن" ہے +

جب "وزن" یا "ثقل" سمجھ میں آگیا۔ تو اب اسکی مزید وضاحت سنئے۔ عناصر اربعہ کی جو مثالیں اوپر دی گئی ہیں انہیں ذہن میں رکھئے۔ اور دیکھئے۔ کہ اگر ایک پتھر یا ڈھیلہ زمین سے اٹھایا جائے تو زمین سے الگ ہوتے ہی اس میں وزن پیدا ہو جائیگا کیوں؟ اس لئے کہ مرکز سے الگ کیا جا رہا ہے +

ایک گھڑا پانی سے بھر لیجئے۔ جب تک وہ پانی کے اندر ہے۔ اس کا کچھ وزن نہیں ہوگا۔ ایک انگلی سے اٹھا لیجئے۔ اور پانی کی تہ تک لے آئیے لیکن جب یہ گھڑا پانی سے باہر نکالا جائیگا۔ تو اس میں وزن پیدا ہو جائیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی اپنے مرکز سے جدا کیا جا رہا ہے۔

ایک مشک میں ہوا بھر لیجئے۔ وہ اس قدر ہلکی پھلکی ہوگی۔ کہ اسے بلا تکلف ادھر ادھر اُڑائے لیکن اگر اس مشک کو پانی کے اندر لے جانا چاہیئے۔ تو زور لگانے کی ضرورت ہوگی۔ جب تک کافی زور اور دباؤ نہ ڈالا جائیگا۔ ہوا سے بھری ہوئی مشک پانی کے اندر نہیں جائیگی۔ اسلئے کہ اس مشک میں ہوا ہے جس کا مرکز بلند ہے۔ مرکز سے جدا کرتے وقت اس میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آگ کے شعلہ کو قیاس کر لیجیے، شعلہ ہمیشہ اوپر ہی جاتا ہے۔ نیچے لے جانے میں وقت اور دشواری پیش آئیگی۔

ان امثلہ سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی چیز مرکز سے جدا کی جائے اس میں وزن یا ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن یا اہلبیت کا مرکز بلند ہے۔ یہ دونوں چیزیں فرشی نہیں۔ بلکہ عرشی ہیں جب مرکز سے جدا کر کے فرش زمین پر لائی گئیں۔ تو ان میں ثقل پیدا ہو گیا۔ قرآن کے مرکز کی نسبت ارشاد ہے۔ بل ھو قرآن مجید ۝ فی لوح محفوظ ۝ (پ البروج ع) یہ قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے۔ گویا قرآن مجید کا مرکز عرش پر لوح محفوظ ہے نہ کہ زمین۔

اسی طرح اہلبیت رسولؐ کا مرکز عرش ہے۔ جہاں خلقت ظاہر سے قبل لاکھوں برس تسبیح کرتے رہے بلکہ فرشتوں کو تسبیح انہوں نے سکھلائی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ سبحنا فسبحت الملائکۃ بتسبیحنا کہ ہم نے تسبیح کی۔ تو ہماری تسبیح دیکھ کر فرشتوں نے بھی تسبیح کی۔ لہذا جب قرآن اور اہلبیت جن کا مرکز زمین نہیں۔ بلکہ عرش بلند ہے۔ اپنے مرکز سے ہٹا کر زمین پر لائے گئے۔ تو ان میں "ثقل" پیدا ہو گیا۔ لہذا "ثقلین" کہلائے۔ قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ کل شیء یرجع الی اصلہ یعنی ہر چیز اپنے مرکز کی طرف جاتی ہے۔ عناصر اربعہ کی امثلہ پر پھر غور کریں۔ مٹی کا ڈھیلا جب اس کے مرکز یعنی زمین سے دور لے جا کر بلندی میں چھوڑا گیا۔ تو وہ سیدھا اپنے مرکز پر آ گرا۔ جب تک ہاتھ کی قوت قسری کا اثر تھا مرکز سے الگ رہا۔ جب یہ اثر جاتا رہا۔ اپنے مرکز پر پہنچا۔ ہوا سے مشک بھر کر پانی کے اندر لے جاؤ۔ جب تک ہاتھ کا دباؤ ہے۔ مشک پانی کے اندر ٹھیری رہیگی۔ ذرا ہاتھ کا دباؤ ہٹا کر دیکھو۔ مشک فورا اوپر ہوا میں آجائیگی۔ جب تک مانع رہا۔ دبی رہی۔ مانع ہٹا۔ مشک ابھری اور اپنے مرکز پر پہنچ کر دم لیا۔ اسی طرح آنحضور صلعم کا مرکز عرش تھا۔ فرش نہیں تھا۔ جب تک قل انما انا بشر مثلکم کا مانع اور دباؤ رہا۔ فرش زمین پر رہے۔ جب قدرت نے مانع اور دباؤ اٹھا لیا فرش زمین چھوڑا۔ ساتوں آسمان پار کئے اور عرش معلی پر پہنچ کر دم لیا۔ کیونکہ یہی آپ کا مرکز تھا۔ اسی جگہ لاکھوں برس عالم نور میں آپ نے تسبیح باری تعالی کی ہوئی تھی۔ دروازہ کی زنجیر ابھی تک ہلتی رہی بستر گرم رہا۔ وضو کا پانی اسی طرح رہا۔ اور آپ فرش سے عرش تک پہنچ بھی گئے اور وہاں کی سیر و سیاحت کر کے واپس بھی آ گئے۔ کسی نبی کا مرکز پہلا آسمان تھا کسی کا دوسرا کسی کا تیسرا یا چوتھا۔ چوتھا کس کا؟ حضرت عیسٰیؑ کا۔ لہذا جب حضرت عیسٰیؑ کو فرش زمین سے اٹھایا گیا تو بل رفعہ اللہ الیہ کہکر انہیں ان کے مرکز چوتھے آسمان تک پہنچا دیا گیا۔ (بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

(تاریخ اسلام پر تبصرہ) (از فاضل مورخ عسکری بن احمد)

قیصر و کسریٰ کے استبداد کو مٹانے والے {قسط دوم}

(سلسلے کیلئے دیکھئے معارف اسلام ماہ مئی ۱۹۸۵ء ص ۳۴)

شاعر مشرق نے سنایا ؎ مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زور حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ (کلیات اقبال)

علامہ اقبال اور ان کے ہم فکر مکتب کا یقین محکم ہے کہ قیصریت اور کسرویت (ملوکیتی استبداد) کے کردار کو نیست و نابود کرنے والی "اقبالی تکون" ہے اور اسکے سہ پہلو کردار زور حیدری، فقر بوذری اور صدق سلمانی ہیں۔ مگر مولوی شبلی نعمانی آنجہانی کے مدرسۂ فکر کا خیال ہے کہ قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو جن حاکموں اور جرنیلوں نے "سپاہی اور تلوار" کے بوتے پر فتح کیا وہی فاتحین قیصر و کسریٰ ہیں۔ دو مکتبہ ہائے فکر —— ایک فاتحین استبدادیت، ملوکیت، قیصر و کسریٰ کو بزرگ مانتا ہے اور دوسرا فاتحین ظاہری ملوک قیصر و کسریٰ کو اعلیٰ جانتا ہے۔

ہم نے شمارہ ماہ مئی میں حضرات علیؑ، ابوذرؓ اور سلمانؓ کی "اقبالی تکون" کی ان خدمات کا جائزہ لیا جو انہوں نے غزوۂ خندق اور مہمات روم و ایران کے دوران میں سرانجام دیں۔ یوم الخندق تو کامیابی کا سہرا ہر رنگ انہیں کے سر رہا۔ اور یہی وہ دن ہے جس دن آنحضرت صلعم نے قیصر و کسریٰ کی فتوحات کی خبر غیب کا اعلان فرمایا۔ اور پھر دوران فتوحات ملکی (اقالیم روم و ایران) میں بھی اس اقبالی تکون کی قوت شمشیر، قوت تدبیر اور قوت تقریر کے مظاہر دیکھیے

شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ناموس صحابہ کے ساتھ ساتھ خصائص صحابہ کا سب سے بڑا پاسبان ہے

اب ہم فتوحات ملکی کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور مولوی شبلی کے مکتبۂ فکر کے فاتحین کو ایک نظر جانچتے ہیں۔ خدا ہم سب کو حق دیکھنے کی توفیق عطا کرے۔ پہلی نگاہ تو اسی سیاست دان پر پڑتی ہے۔ جو ان مہمات کے زمانے میں منتظم مملکت (ADMINISTRATOR) بن چکا ہے۔ جسے اگرچہ دوسرے درجہ پر رکھا گیا ہے۔ مگر اس دور میں وہی مملکت کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جس نے پہلے اور پچھلے کو جھٹلا

اور جس کا دورِ حکومت وسعتِ رقبہ کے لحاظ سے ظفریاب گنا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اس مکتبۂ خیال کی رو سے وہی اول ہے۔

یوم الخندق پہ چلے چلتے ہیں کہ یہیں سے قصرِ قیصر و کسریٰ چلتا ہے۔ خندق پھاند کر جب عمرو ابن عبدود مسلمانوں کے میدان میں آ گیا۔ تو مسلمان جو ٹڈی دل فوجِ کفر سے پہلے ہی خوفزدہ تھے اور زیادہ ہراساں ہوتے رہے سے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ کانّما علیٰ رؤسہم الطیر (تاریخ روضۃ الصفا) اس وقت صحابہ کرام کا یہ نقشہ تھا کہ جیسے ان کے سروں پر پرند بیٹھے ہوں مطلب یہ ہے کہ سکوتِ مرگ یا یوں کہئے سکوت جیسی طاری تھا۔ عمرو ابن عبدود پکارتا تھا هل من مبارز ہے کوئی ماں کا لال جو میدان میں نکلے۔ مگر ادھر سے جواب ندارد۔ عمرو ڈینگ مار رہا تھا ہم نے سنا ہے کہ مسلمانوں کے کشتے شہید ہو کر بہشت رسید ہوتے ہیں آؤ میری تلوار ہر مسلمان کو کشتہ و شکستہ کریگی۔ بہشت جانا چاہو تو آؤ دو ہاتھ کر لو۔ مگر ایک خاموشی تھی اس سب کے جواب میں (روضۃ الصفا) واحد حضرت علی کی ذات تھی جو پھڑک پھڑک کر آنحضرت صلعم سے اجازتِ مبارزت چاہ رہی تھی۔ مگر آنجناب آپ کو روکے ہوئے تھے ـــــ ایسے میں اگر کسی کی قوتِ گویائی نے یاوری کی تو وہ واقعی دلیر ہے۔ یہ سکوتِ مرگ اور یہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا اور کہنے والا کہہ رہا تھا "یاران برادران میری اس پہلوان سے نسبت پرانی جان پہچان ہے۔ بس یہ عمرو ابن عبدود ہے جو ایک ہزار جوان کو کافی ہوا کرتا ہے"۔ یہ قول حضرت عمر ابن الخطاب کا تھا (روضۃ الصفا) یہ وہ وقت تھا کہ آنحضرت صلعم فوج صحابہ کا تنزلِ مورال (DEPRESSED MORALE) اونچا کرنے کیلئے قیصر و کسریٰ کی فتوحات کی پیشینگوئیاں کر رہے تھے کہ کسی طور "تھوڑدلی" فوج میں "جی داری" پیدا ہو۔ اس وقت دشمن کی بہادری جتلا اور جتلا کر اپنی ہی فوج کے چھکے چھڑانا ـــــ کسی صورت میں بھی مفادِ مسلمین کے حق میں نہ تھا۔ اور نہ ہی تدبیرِ جنگ کہنا زیب دیتا ہے۔

بہرحال عمرو ابن عبدود کی مبارزت کیلئے حضرت علی برآمد ہوئے۔ شیرِ خدا کی قوتِ شمشیر یعنی اک ضرب ید اللّٰہی نے عمرو کا خاتمہ کر دیا (نہیں عمرو کا نہیں بلکہ کفرِ کل کا خاتمہ کر دیا) اک ضرب تھی کہ کار سپاہ تھا۔ عمرو ابن عبدود کے ساتھی ضرار ابن الخطاب۔ جبیرہ اور نوفل بھاگے۔ حضرت علی بڑھے۔ نوفل خندق میں گرا حضرت علی نے اسے وہیں جا لیا (کرنا خدا کا) کہ بھاگے گئے ضرار کا تعاقب حضرت عمر ابن الخطاب نے کیا۔ ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا۔ لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا (سیرۃ النبی شبلی) ضرار تو حضرت علی کی قوتِ شمشیر سے خوفزدہ تھا۔ اچانک جو

محسوس کیا کہ اگر علیؓ تعاقب میں ہوتے تو کب کا فرار ٹکڑے ہو گیا ہوتا۔ مڑ کر دیکھا تو عمر کو پایا۔ برچھا سینے پر رکھ دیا مگر فوراً ہی برچھا اٹھا لیا اور احسان رکھ دیا۔ احسان دھر کر وہ اطمینان سے چل دیا اور ادھر احسان ماننے والا اشداءُ علی الکفار کہا جاتے تھے وہ لا احسان قبول کرتا رہ گیا۔ اور کافر شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ تلوار کا ایک بوداسا وار بھی گھبرائے ہوئے فرار کیلئے کافی تھا۔ ہزیمت خوردہ ضرار کی یہ حاضر دماغی اور ادھر یہ بیچ دہی نقشہ مارے خوف کے آنکھیں پھری کی پھری اور کلیجے گھٹ کر حلق میں آ گئے ہوں گے (الآیہ احزاب) کافر کے احسان کے جواب میں ایک عمرؓ کے شان وسنان چپ سادھے تھے۔

آج یوم الخندق کو حضرت عمر ابن الخطاب کی قوتِ شمشیر و قوتِ تدبیر اور قوتِ تقریر کی کیفیت یہی تھی۔ جو تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں بڑی نمایاں الفاظ میں ملتی ہے۔ ہم تاریخ اور سیرت کے مجسم پیکر سے ہو کر تبصرہ کر رہے ہیں۔ اب ہم مہماتِ روم و فارس کا مطالعہ کرتے ہیں:۔

(۱) فتوح العراق۔ اقتدار کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں میں آنے کے بعد سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ فرمائی۔ یوں تو شام و عراق میں لشکر کشی حضرت ابو بکرؓ کے عہد سے ہو چکی تھی۔ عراق کے دو حصے تھے۔ عرب سے ملحق کو عراق عرب اور ایران سے ملحق حصہ کو عراق عجم کہا جاتا تھا۔ موخر الذکر تو ایران (فارس) کے تحت تھا۔ عراقِ عرب بھی ایران کا باجگزار تھا۔ مدائن ایرانیوں کا دار السلطنت تھا۔ ایران کی سلطنت میں عراق عجم۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور بلخ تک کے علاقے تھے۔

مسلم مجاہدین کو ابھارنے کیلئے کہا جاتا تھا آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے (الفاروق) حیرہ اور کلدیہ تو عہد حضرت ابو بکرؓ میں فتح ہو گئے تھے۔ یہ عرب و عجم کے درمیان بفر سٹیٹس BUFFER STATES تھیں۔ ۱۳ھ میں عراق پر پہلا حملہ عہد حضرت عمرؓ میں ہوا۔ ابو عبیدہ ثقفی کی سرداری تھی۔ مگر اس نے ہزیمت اٹھائی۔ جنگ جسر (پل کی جنگ) میں خود ابو عبیدہ قتل ہوا۔ اسکے قتل پر حیرہ اور کلدیہ پھر ایرانیوں ...... کے ہاتھ لگ گئے۔ ۱۴ھ میں جنگ بویب (کوفہ کے نزدیک) مثنیٰ کی افسری میں ہوئی۔ فتح نے قدم چومے۔ جہاں بغداد آباد ہے وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری (سوداگر) جان بچا کر بھاگ گئے۔ اور بیشمار مال ہاتھ آیا (الفاروق شبلی)

ایران نے بڑی مہم کی ٹھانی۔ حضرت عمرؓ نے مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ عرب کی سرحد پر جمع ہو جاؤ۔ فوج تیار کر کے حضرت عمرؓ خود میدانِ جنگ کو چلے۔ پہلی ہی منزل پر اصحاب نے رائے دی کہ آپ مرکز

کو جانیں۔ حضرت عمرؓ نے تقریر کی کہ میں فوج کی رائے پر میدانِ جنگ میں جانا چاہتا تھا۔ مگر صحابہ کی رائے سے باز رہنا چاہتا ہوں۔ مگر مشکل تھی کس کو سپہ سالار بنایا جائے۔ حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی انہوں نے انکار کر دیا (الفاروق شبلی) بہرحال سعد بن ابی وقاص سپہ سالار بنائے گئے وہ فوج لیکر چلے گئے۔ قادسیہ کی جنگ ہوئی۔ کامیاب حملے کئے گئے۔ قادسیہ میں ایرانیوں کا جرنیل رستم تھا۔ قادسیہ کی فتح سے عراق عرب کا فیصلہ ہو گیا۔ دریائے دجلہ میں مسلمانوں نے اپنے گھوڑے ڈال دیئے اور گھوڑے دوڑا کر اسے عبور کیا اور دوسرے کنارے پر مدائن کو فتح کیا۔ کاخ کسریٰ مدائن ہی میں تھا۔ پھر جلولا کی فتوحات ہوئیں۔ ۱۳ھ سے ۱۶ھ تک یہ فتوحات ہوئیں (الفاروق شبلی)

سعد بن ابی وقاص کی فوج کے رسد کا بندوبست حضرت سلمان الفارسی کے ذمے تھا (الفاروق) حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی و ملکی افسروں میں سے سلمان فارسی بھی تھے۔ ملکی و فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور فقہ و حدیث کے ماہر تھے (الفاروق) شبلی نے یہاں حضرت سلمان کے ساتھ اور بھی چند افسروں کے نام لکھے ہیں۔

عراقِ عرب ۱۶ھ میں فتح ہو گیا تو عراقِ عجم پر بھی دست کشی کی گئی۔ حملے پہ حملے ہوئے ایران نے اپنی سرحدات کو غیر محفوظ دیکھ کر بہت زوردار جوابی حملے کی ٹھان۔ اگرچہ عراق کے مقبوضات ہاتھ سے نکل چکے تھے مگر پھر بھی سلطنت کافی تھی۔ یہ ۲۱ھ کے حالات ہیں۔ کوفہ عراق میں ان دنوں حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت عمارؓ یاسر والی (گورنر) تھے۔ انہوں نے ایران کی تیاریوں کو بھانپ کر حضرت عمرؓ کو بروقت اطلاع دی اور خوب دی۔ مدینہ میں مشاورت ہوئی۔ حضرت علیؓ نے بڑے مفید مشورے دیئے۔ حضرت عمرؓ منتظم سلطنت ADMINISTRATOR کو صائب صلاح دیکر مضبوط تنظیم حکومت (STABLE ADMINISTRATION) کی راہ دکھائی۔ عرب کی شیرازہ بندی کو قائم رکھا مملکت اسلامیہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھنے سے بچایا۔ حضرت عمرؓ کو محاذ پہ جانے سے باز رکھا۔

بہرحال طے پایا کہ نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں کمک پہنچے۔ حضرت حذیفہ الیمانیؓ اسی لشکر میں تھے۔ تستر کی فتح ہوئی۔ نہاوند کی جنگ میں نعمان مارا گیا۔ نعمان کے بعد حضرت حذیفہ یمانی میر لشکر ہوئے۔ نہاوند۔ اصفہان۔ کرمان۔ بلخ۔ رے۔ مکران۔ خراسان اور آذربیجان یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ یزدگرد جو ان دنوں شاہ ایران تھا وہ اپنے خاندان سمیت نہاوند سے اصفہان اور وہاں سے کرمان اور پھر بلخ بھاگ گیا اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا (شبلی) نہاوند کے آتشکدہ سے نہایت بیش بہا جواہرات کا خزانہ ملا۔ کنوز ملے (الفاروق) حضرت عمرؓ کے پاس

خمس بھیجا گیا انہوں نے واپس لوٹا دیا کہ یہ بھی فوج میں ہی تقسیم کردو اسی طرح فتح نہاوند کے بعد بھی دور ختم ہو گیا۔ ایران کی سرحدات تو فتح ہو چکی تھیں۔ اب ایران پر عام لشکر کشی ہوئی اور ۲۳ھ تک پورے عراق و فارس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا --- یہ رہے فتوح العراق و فارس۔ اب وادیٔ دجلہ کی زنجیر مسلمانوں کے ہاتھ تھی۔

یوم الخندق کو پس منظر میں رکھ کر ان فتوحات کو پرکھنا ہے کیونکہ وہی وہ دن ہے جس دن فتوحات عراق و عجم کی خبر غیب کی اطلاع دی گئی تھی۔

(۱) جنگ عراق میں مسلمانوں کو ابھارنے کے لئے کہا جاتا تھا آج عرب و عجم کی جنگ ہے یعنی ملکوں کے نام پر جنگ لڑی جا رہی تھی۔ مگر یوم الخندق کو جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ مبارزت کو نکلے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ کُل ایمان کفر کُل سے لڑنے چلا۔ یہ غزوہ تو ایمان و کفر کی جنگ تھی۔

(۲) بازار بغداد کی غارتگری اور لوٹ فتوحات عراق و عجم کا خاصہ بن کر رہ گئی۔ مگر ادھر آنحضرت صلعم نے غارتگروں کی اصلاح کیلئے حضرت ابوذر غفاری کو مامور کر رکھا تھا۔

(۳) غزوۂ خندق سراسر دفاعی تھا۔ مگر فتوحات عراق و عجم کی جنگوں نے غیر جانبدار مورخوں کو مجبور کیا کہ وہ اسلام بالصمصام (ISLAM WITH SWORD) کا نظریہ قائم کریں۔

(۴) ان مہمات عراق و فارس میں حضرت علیؑ مشیر کا نیر ہے۔ محض ADMINISTRATION (انتظام مملکت) کو سلامت رکھنے کیلئے صائب مفید اور صائب مشورے دیئے۔ مگر فاتح کفر (خندق) حضرت علیؑ نے مہمات عراق و عجم میں تلوار ہاتھ میں اٹھائی ہی نہیں۔ قائدین ہی رہے۔ حالانکہ حضرت عمر نے حضرت علی کو فوج کی سپہ سالاری کی پیشکش کی۔ مگر علی نے انکار کر دیا۔ سچ تو بات تھی کہ علی جیسے اشجع الصحابہ فوج محمدی کے سپہ سالار اعظم نے اس پیشکش کو قبول نہ فرمایا۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲۹) لیکن آنحضور صلعم کا مرکز ساتوں آسمانوں سے بھی بلند تھا۔ اور وہ عرش تھا۔ لہذا آپ عرش تک پہنچے۔ مگر جب فرش پر لائے گئے تو ان میں ثقل پیدا ہو گیا۔ لہذا قرآن اور اہلبیت ثقلین کہلائے۔ ثقل کی دو قسمیں ہیں:-

(۱) ثقل اصغر (۲) ثقل اکبر

قرآن اور اہلبیت میں ثقل اصغر کون ہے اور ثقل اکبر کون؟

اس کی بحث آئندہ کی جائے گی۔

(اسلامی جماعتوں کو دعوتِ فکر) (از سید نصیر حسین نقوی مد ظلہ حسن ابدال اٹک)

اتحاد المسلمین کے سلسلہ میں

نامہ و پیام

اسلام دنیا میں وحدت آدم کا پیغام لے کر آیا۔ اور انسانیت کو ایک ایسا اکمل و اتم نظام زندگی دیا جس کی بنیاد و اساس پر انسانیت کی عالمگیر برادری اور آدمیت کی کائنات گیر اجتماعیت کی تعمیر کی جا سکتی تھی، اور ایک ایسا عالمگیر اسلامی معاشرہ بنایا جا سکتا تھا جس میں حسن معاشرت اور خوشگوار تمدن کے مقاصد کا حصول یقینی تھا۔ اسلامی اخوت کے پاک و پاکیزہ جذبات ہی قوم و ملت، جماعت و سوسائٹی اور جمعیت و معاشرہ میں وحدت فکر پیدا کر کے وحدت کردار و عمل پیدا کر سکتی تھی، چنانچہ سرکار رسالت (ارواحنا الفداء) اپنی حیات طیبہ میں ایسے معاشرہ کے قیام کے لئے ہی جدوجہد فرماتے رہے —— لیکن انسانی خود غرضیوں کا برا ہو۔ ادھر سرکار رسالت کی آنکھیں بند ہوئیں، ادھر اسلامی معاشرہ میں تشتت و افتراق نے راہ پا لیا، مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ وہی امت مسلمہ جو انسانیت کی ہمہ گیر برادری کا نصب العین لے کر اٹھی تھی۔ باہم دست و گریباں ہو جاتی ہے، وہ ہاتھ جو باطل کو مٹانے اٹھے تھے، اپنوں کی جانب بڑھنے لگتے ہیں، وہ تلواریں جو امن عالم کے لئے نیام سے باہر آئی تھیں، اب ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی خاطر علم ہیں۔ وحدت افکار و کردار رخصت، ان کی جگہ داخلی انتشار، طوائف الملوکی لے لیتے ہیں، ابتری و بے نظمی اور بے راہ روی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ قتل و غارت، خونریزی اور ویرانی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ پھر تو ایسے ایسے خونچکاں مناظر دیکھنے و سننے میں آتے ہیں کہ جن کے تصور سے بھی انسان کا کلیجہ کانپ اٹھتا ہے —— اے مسلمان! اور یہ وحشت گری و بربریت —— بصدیوں یہ چکر چلتا ہے، نام نہاد خلافت کے پردہ میں ملوکیت نے اپنے سیاسی استحکام و استقلال کی خاطر، عوام کو اسی راستے پر چلائے رکھا۔ خدا جانے کب تک یہ ملوکیت کی لعنت مسلمانوں پر مسلط رہتی، اتنے میں رنگ بھی بدلتا ہے، مغربیت کا سیلاب بے پناہ ہر خشک و تر کو بہائے جاتا ہے اور ہم مسلمانوں کی محبوب ملوکیتیں بھی اس سیلاب کی امواج کی نذر ہو جاتی ہیں —— اور ہم ان کے غلام یا سیاسی دست نگر بن جاتے ہیں —— معیت میں احساس آزادی، کروٹیں لینے لگتا ہے۔ اور ہم جہد بقا کے لئے نئے عزائم لے کر میدان کارزار

حیات میں قدم رکھتے ہیں — مبارک ہوں یہ عزائم —!

—— وحدت ملی کی اہمیت کا احساس بڑی سرعت سے پھیل رہا ہے، جو خوش آیند مستقبل کیلئے ایک اچھا شگون ہے۔ اتحاد و اتفاق کی آوازیں مختلف گوشوں سے اُٹھ رہی ہیں۔ ان آوازوں میں پورا زور، تاب و تواں نہ سہی، لیکن ان سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ افراد ملت آہستہ آہستہ حقیقت پسندی کے قریب آ رہے ہیں۔ اور چار و ناچار انہیں وحدت و مرکزیت کی جانب آنا ہی پڑیگا۔ عصری تقاضے انہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر خواب گراں سے بیدار کر رہے ہیں۔ اتحاد المسلمین وقت کی اہم پکار ہے۔ اور جتنا جلد ہم اس تک پہنچ جائیں۔ اتنا ہی ہماری نشاۃ ثانیہ کیلئے مفید ہوگا۔

—— لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس شعور و احساس کی شدت کے باوجود ابھی تک اس اہم ملی ضرورت کو سنجیدہ غور و فکر کا عنوان نہیں بنایا گیا، اور خالی الذہن ہو کر اس مسئلہ کے حل کی تدابیر نہیں سوچی گئیں، انداز فکر وہی پرانے ہیں۔ اور اپنی ہی منوانے کے وہی دم خم ہیں۔ اور اگر تعصب و تنگ نظری، عصبیت و کورانہ تقلید، شخصیت پرستی و آباپرستی خود رائی و اغراض ذاتی کے بتوں کو ہی ہم نے قبلۂ سجود بنائے رکھا، تو اس وحدت ملی کے بلند نصب العین تک ہم ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ہم خلوص دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ہماری صفوں میں انتشار نہ پیدا ہو۔ اور وحدت فکر و نظر سے ہم اتحاد و اتفاق کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔ ہمارے افکار و کردار میں یک جہتی و ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ اور ہم بین الاقوامی سطح پر اپنی عظمت و مقام اور اپنا قومی وقار بلند کر دیں، تو اس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہمیں ٹھنڈے دل سے اپنے ماضی کا جائزہ لینا ہوگا۔ ان اسباب و علل کا سراغ لگانا ہوگا۔ جن کے منحوس قدموں نے ہماری جمعیت کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ایسے نقطہ مرکز تک پہنچنا ہوگا جس کو مرکز قرار دے کر ہم اپنی زندگی کے نظام کا دائرہ کھینچ سکیں، ورنہ ہماری تمام کوششیں بے سود اور جملہ مساعی رائیگاں جائیں گی۔ اور ہم یونہی اندھیرے میں تیر چلاتے رہیں گے جن کا ہدف پر بیٹھنا معلوم ——!

—— یہ حقیقت ہے کہ اسلامی معاشرہ میں انتشار نے اس وقت راہ پایا۔ جب ہادی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیمات و ہدایات سے کچھ افراد نے انحراف کر لیا۔ اور وہ "مرکز ہدایت" جسے خود سرکار رسالتؐ نے بحکم خداوندی روشناس کرایا تھا، چھوڑ کر، بعض سیاسی و ذاتی اغراض کے تحت اپنا خود ساختہ مرکز بنا لیا گیا۔ یہ مسند اقتدار تلوار کے زور پر اور پراپگنڈہ کے بل بوتے پر کچھ وقت کے لئے قائم رہی، لیکن ہوا پر تعمیر محل کی عمر تا کجے —— حادثات زمانہ کی تند و تیز آندھیوں

نے اس کو صفحۂ عالم سے نیست و نابود کر دیا۔ صدیوں کے حکومتی پراپیگنڈے نے ہمیں یہ باور کرا دیا تھا کہ یہی حقیقی مرکزیت ہے۔ یہ آبائی ورثہ ہمیں اتنا عزیز ہے کہ اس بوسیدہ نقش سے جدا ہونا نہیں چاہتے اور اسلام کا حقیقی مرکز، جسے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ سے روشناس کرایا تھا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ــــ الخ ـ اس کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ کیونکہ آبائی تعصب اور صدیوں کے زہریلے پراپیگنڈے نے ہمارے تحت الشعور میں یہ نظریات بٹھا دی ہے کہ ہر دوسرے نقطہ کو تو مرکز اسلام تسلیم کر لیں گے ــ لیکن کیا مجال کہ اہلبیت کی جانب خیال تک بھی جائے ـــ ہمارا یہ دعویٰ ہے اور تاریخی شہادتیں بھی اس کی صداقت کی گواہ ہیں کہ مسلمانوں کی پستی و ادبار کا واحد سبب "قرآن و اہلبیت" سے منہ موڑنا ہے ـ اور وحدتِ ملی کی اساس قرآن و اہلبیت کی مرکزیت پر ہے ـــ جتنا جلد مسلمان ـــ اس مرکزِ ملت پر اپنی ملی وحدت کو قائم کر لیں گے۔ اتنا جلد ان کی عالمگیر اجتماعیت کا وجود قائم ہو جائیگا۔ اور انہیں نہ صرف دنیا میں عزت و وقار کا بلند مقام حاصل ہوگا۔ بلکہ آخرت بھی ان کی ہو گی۔ خدا کرے کہ "وحدت اسلامی" کا یہ خواب جلد ہی شرمندۂ تعبیر ہو۔ اور آفتاب ہدایت دنیا کو روشن کر دے۔

ـــ آمدم برسر مطلب ـــ! برصغیر پاک و ہند کے علمی حلقوں میں عالیجناب ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی، محتاج تعارف نہیں، ان کی مختلف علمی تصانیف نے انہیں علمی دنیا میں متعارف کرا رکھا ہے، موصوف جہاں علوم مغربیہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ عربی، فارسی کے بھی بہت بڑے فاضل ہیں ـــ ان کا ایک مخصوص نظریہ ہے جس کا اندازہ ان کی گراں قدر تصانیف سے کیا جا سکتا ہے ـــ ان کو بھی زمانہ کے تقاضا نے اسلامی وحدت کی جانب توجہ مبذول فرمانے پر مجبور کیا ـــ چنانچہ "عشرہ محرم اور مسلمانان پاکستان" کے زیر عنوان ایک آرٹیکل نیل و نہار لاہور کے اگست کے شمارہ میں ۱۹۶۵ء شائع کرایا ـــ جس میں وہی اکثریتی ذہن کے تحت عزاداری کو چھوڑنے کا شیعوں کو مشورہ دیا ـــ اس پر شیعی دنیا کے نابغ المنظر عالم سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ (لکھنو) نے ایک جامع و مانع انتقادی نظر کی، ہفت روزہ رضا کار، لاہور میں ان کا گراں قدر مقالہ بالاقساط شائع ہوتا رہا ـــ جو اپنی جامعیت میں اپنی مثال تھا ـــ میں نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر برق کے ایک ہم خیال فاضل بزرگ کی خدمت میں درخواست کی تھی۔ کہ مسئلہ کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اسے بلند علمی معیار پر طے ہو جانا چاہیے۔ اگر آپ سید العلماء مدظلہ کی تصریحات کو دیکھ کر قلم اٹھائیں تو یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے اتحاد المسلمین کی کوئی راہ پیدا ہو جائے۔

لیکن خدا معلوم انہیں کیا سوجھی کہ میری عرضداشت کے جواب میں ایک مفصل مکتوب میں خلافت کے موضوع پر اظہار خیال ضروری سمجھا۔ خیر۔ میں نے اپنی علمی فرومائیگی کے باوجود ان کی خدمت میں کچھ معروضات پیش کرنے کی بے جا جسارت کی پھر یہ سلسلہ ناگزیر وجوہات کی بنا پر رک گیا۔ یہ مسئلہ چونکہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کا گرامی مکتوب اور اپنی معروضات ناظرین کی خدمت میں پیش کردوں۔ اور ارباب فکر و نظر سے اپیل کروں کہ وہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض فرما کر مسلمانوں کے لئے کوئی متفقہ لائحہ عمل تجویز فرمائیں۔

فاضل علوم جدیدہ و شرقیہ کا گرامی نامہ:۔ " محترم السلام علیکم

اگر میری تحریر آپ کی نظر سے گزری ہے تو آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ میں "وحدت آدم" کا قائل ہوں۔ اور اس لئے یہ مذہبی تفرقہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ باقی مذاہب کو چھوڑیئے اور صرف شیعہ سنی تفریق کو دیکھئے۔ کس قدر بے معنی بات پر خون خرابہ ہو رہا ہے۔ اس سے تو آپ انکار نہیں کر سکتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں قرآن دیا تھا۔ جسے شیعہ سنی دونوں مانتے ہیں۔ رسول، خدا، قبلہ اور اکثر اصول و فروع پر دونوں کا اتفاق ہے۔ اب مابہ النزاع صرف دو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ (۱) مسئلہ امامت (۲) پہلے دو خلفا کا رویہ

مسئلہ اول ایک غیر مضر عقیدہ ہے۔ اگر شیعہ حضرات یہ اور اس قسم کے بیس اور عقائد بھی اجزائے دین بنالیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ اس وقت فریقین کے نقطہ نظر سے کوئی بھی امام واجب الطاعت موجود نہیں رہ گئے حضرت امام مہدی۔ ان کی آمد کی بشارت فریقین کے ہاں بڑی شد و مد سے موجود ہیں۔ جب آئیں گے دونوں مان لیں گے۔ اس لئے اس مسئلے پر اختلاف کالعدم ہی سمجھئے۔

رہا دوسرا معاملہ۔ تو اس کا تعلق تاریخ سے ہے۔ تاریخ سے مراد روایات یا احادیث ہیں۔ دونوں فرقوں کے ہاں یہ لٹریچر نہایت مسخ شدہ اور دست برد انسان سے پامال شدہ لٹریچر ہے۔ شیعوں کے ہاں یہ دونوں حضرات غاصب تھے۔ اور سنیوں کے ہاں واجب الاحترام کس فرقے کی روایات صحیح ہیں؟ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب مشکل یہ آن پڑی ہے کہ کچھ روایات شیعوں کے ہاں ایسی موجود ہیں جن سے ان بزرگوں کے متقی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن علامہ علی نقی صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ یہ روایات سنیوں نے ان کی کتابوں میں داخل کر دی ہیں۔ سنیوں کے ہاں بھی وہ لکڑیاں ہیں کہ حضرت حیدر رضی اللہ عنہ کے حرم کے جلانے کی روایات ملتی ہیں۔ یہ کہتے ہیں

کہ یہ کسی شیعہ نے داخل کر دی ہے۔ بہر حال دونوں فرقے تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی روایات میں جعل ووضع کا عنصر موجود ہے۔ جب صورت یہ ہے تو پھر ان حشیتہ الفتی اور گوش بر بیدہ روایات کی بنا پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹنا چہ معنی؟

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ شیعوں کی روایات صحیح ہیں۔ اور سنیوں کی غلط اور صدیق و فاروق دونوں غاصب و ظالم تھے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان روایات کو آج بیان کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ نقصان تو سامنے ہے کہ خونریزی ہوتی ہے۔ قوم کا شیرازہ بکھر رہا ہے اور دنیا ہم پر ہنس رہی ہے کیا فاروق و صدیق کو غاصب ثابت کرنا، مذہب کا کوئی اہم اصول ہے؟ اگر غلط فہمی میں پچاس کروڑ سنی ان دونوں بزرگوں کا احترام کرتے ہیں۔ تو کیا پندرہ کروڑ شیعوں کا یہ اخلاقی فرض نہیں کہ وہ مجمع ہائے عام میں ان بزرگوں کو برا نہ کہیں۔ تاکہ پچاس کروڑ سنیوں کی دل آزاری نہ ہو۔ جس رسول نے عیسائی نجاشی کی نماز جنازہ مدینہ میں پڑھی تھی۔ کیا اس کے پیرو سنیوں کے احترام فاروق و صدیق کو بھی برداشت نہیں کر سکتے؟ فرصت کی تلاش میں ہوں فرصت ملتے ہی اس موضوع پر دوبارہ، صد بارہ .... صد بارہ لکھوں گا یہاں تک کہ یہ سلسلہ رک جائے۔ اور دونوں بھائی حقیقی بھائی بن جائیں۔ علامہ نقی فصل چاہتے ہیں اور میں وصل اور یہیں سے ہماری راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔"

میرے معروضات — فاضل موصوف کی خدمت میں اس حقیر نے بھی چند معروضات پیش کئے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حسن ابدال　　　　نعم المولیٰ ونعم النصیر　　　　وفقکم اللہ!

السلام علیکم — ! جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا ممنون ہوں اور ذرہ نوازی کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میں نے جناب کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی درخواست کی تھی کہ جناب برق صاحب کے پرمغز مقالہ "عشرۂ محرم اور مسلمانان پاکستان" پر سید علی نقی صاحب قبلہ نے ایک انتقادی نظر کی۔ ان کے تبصرہ کی روشنی میں آپ بھی کچھ سپرد قلم فرمائیں — ! آپ نے میرے نام ایک مکتوب میں سنی۔ شیعہ اختلافات کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ افہام و تفہیم کے پیش نظر، اگر آپ کی بحث پر ایک نظر کروں تو امید واثق ہے۔ کہ آپ اسے جرات بے جا تصور نہ فرمائیں گے۔ اور اپنی وسیع النظری پر نظر کرتے ہوئے بقول سلطان العلماء ممنون فرمائیں گے:-

(۱) آپ وحدت آدم کے قائل ہیں۔ اس لئے آپ کو مذہبی تفرقہ ایک آنکھ نہیں بھاتا"

"وحدت آدم کی اصطلاح اپنے اندر ابہام رکھتی ہے یہیں تو اس کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ آپ مذہب کی نفی کو بندش کی چستی اور الفاظ کی حسن ترکیب میں چھپا رہے ہیں۔ اور اگر یہ مفہوم نہیں تو آپ اس کی توضیح فرما دیں۔ تا کہ آپ کے بیان کردہ مفہوم کی روشنی میں اس کے حسن و قبح پر نظر کی جا سکے۔ رہا تفرقہ تو کسی صاحب عقل و شعور کو پسند نہیں۔

۲۔ "باقی مذاہب کو چھوڑیئے"

جب وحدت آدم ہی مقصد ٹھہرا، تو باقی مذاہب کو کیوں چھوڑا جائے؟ کیا وہ اولاد آدم نہیں؟ اگر ہیں تو ان کو کیوں نہ وحدت میں لایا جائے۔

۳۔ "شیعہ و سنی میں بے معنی باتوں پر خون خرابہ ہو رہا ہے"۔

بے معنی و بامعنی کا آخر معیار کیا ہے؟ رہا خون خرابہ تو اس سے انکار نہیں اور یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہی نہیں۔ بلکہ ہم مسلمانوں کی قومی زندگی کا تاریک ترین باب بھی ہے۔ یہ باہمی خونریزیاں ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں اور دامن عزت پر بدنما داغ۔ یہاں آکر فرط ندامت سے مسلمانوں کا سر جھک جاتا ہے۔ خون خرابہ ہی نے تو اسلامی صفوں میں انتشار پیدا کیا۔ اور وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کر دیا بے شک یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ اور روح دین کے بھی بالکل خلاف ہے۔ یہ مسئلہ اپنی اہمیت کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ ہمارے غور و خوض کا مستحق ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اس کے بنیادی اسباب کا تجزیہ کر کے کسی نتیجہ تک پہنچیں مرض کے اسباب کی صحیح تشخیص پر ہی علاج کا انحصار ہے اس لئے ہمیں اپنے ماضی پر نظر ڈالنا ہوگی۔ اور یہ دیکھنا ہوگا کہ ہماری صفوں میں کب اور کیوں انتشار پیدا ہوا؟ وہ انتشار کس سیاسی پس منظر کی پیداوار تھا۔ اس نے ہمارے نظام میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کیں؟ اور کیونکر یہ رنجیدہ صورتیں پیدا ہوئیں

۴۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن حکیم سنی شیعہ بلکہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ واجب الاحترام اور مفترض الطاعت بھی۔

۵۔ "آپ فرماتے ہیں کہ خدا، رسول، قبلہ اور اکثر اصول و فروع پر دونوں کا اتفاق ہے اب مابہ النزاع صرف دو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ ۱۔ مسئلہ امامت۔
(۲) پہلے دو خلفاء کا رویہ"

کیا آپ کا یہ فرمانا بجا ہے ۔۔۔؟ میرے خیال میں یا تو آپ نے سنی، شیعہ کے اختلافی مسائل پر بالتفصیل نظر نہیں کی۔ یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں یا ان اختلافات کو آپ اتنا جزوی سمجھتے ہیں۔ کہ

اہمیت دینے کے روادار نہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ لفظیں بے شک دونوں کے ہاں مشترک ہیں گی لیکن ان کی تعبیرات و مفاہیم میں بعد المشرقین ہے۔ اس لئے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ ان کو ایک اور مشترک قرار دیا جائے۔ رہا آپ کی نظروں میں صرف امامت و خلافت کا اختلاف ایسا ہے جو قابل برداشت نہیں۔ اور محض اسی کے دور کرنے سے آپ کو مزعومہ وحدت آدم حاصل ہوسکتی ہے۔ تو چشم ما روشن دل ما شاد" اسی پر ہی سنجیدہ غور و فکر کر لیتے ہیں :-

۲ مسئلہ امامت کے متعلق آپ کا ارشاد ہے۔ "یہ شیعوں کا ایک غیر مضر عقیدہ ہے۔ شیعہ حضرات یہ اور اس قسم کے ہیں اور عقائد بھی اجزائے دین بنا لیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی"۔ پھر آگے جا کر فرمایا ہے۔ کہ اس اختلاف کو کالعدم سمجھئے۔

— فقرہ کی تلخی کو چھوڑتے ہوئے اصل مسئلہ پر توجہ کی جاتی ہے۔ "آزاد خیالی بھی ایک عجیب چیز ہے اس کی حدبندی ممکن ہی نہیں۔ اگر اس کی رو میں بہہ کر ایک (آزاد منش) شخص آپ سے ایک قدم بڑھ کر یہ کہنے لگے کہ نبوت مسلمانوں کا ایک غیر مضر عقیدہ ہے۔ مسلمان حضرات یہ اور اس قسم کے ہیں اور عقائد بھی اجزائے دین بنا لیں تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی —— یا مذہبی جھگڑے بندیوں سے آزاد ایک منچلا یہ فرمانے لگے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا عقیدہ۔ مذہب پرستوں کا ایک غیر مضر عقیدہ ہے۔ ارباب مذاہب یہ اور اس قسم کے ہیں اور عقائد بھی اجزائے دین بنا لیں، تو کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی —— فرمائیے! کیا ایسا کہنے والوں کی زبان ہم بند کر سکتے ہیں؟ ان کے ایسا کہنے سے ان عقائد کی اہمیت تو نہیں گھٹ سکتی —— کیا ایسی عبارت آرائیوں سے توحید و نبوت پر کوئی حرف آسکتا ہے؟ اگر نہیں تو آپ کے ارشاد فرمانے پر بھلا عقیدہ امامت پر کوئی حرف کیسے آسکتا ہے؟ —— رہا مسئلہ پر سنجیدہ غور و فکر —— تو اس پر بے شمار عقلی و نقلی و شرعی دلائل و براہین دال ہیں جس پر شیعوں کی بڑی بڑی گرانقدر تالیفات ایک تحقیق کے دلدادہ کو دعوت تحقیق دے رہی ہیں۔ نبوت پر ایمان رکھنے والوں کو امامت جو فرع نبوت ہے پر اعتقاد رکھنے میں کوئی عقلی استبعاد نظر نہیں آتا۔ امامت کے اثبات کے بھی وہی ادلہ ہیں جو نبوت کے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب تک انسان ہدایت کا نیاز مند رہے گا۔ ہادی کی بھی احتیاج اسے دامنگیر رہیگی۔ "ولکل قوم ھاد" یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص خود کو ہدایت سے مستغنی سمجھتا ہے۔ اور نبی و امام کے سامنے نہ جھکے۔ ایسا سمجھنے سے وہ ہدایت یافتہ تھوڑا ہی ہو جائیگا۔ ہدایت کی خاطر ہی تو ارشاد قدرت ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ اس میں خدا۔

رسول اور امام کی اطاعت کا حکم نہیں تو اور کیا ہے ؟

۷۔ دوسرا اختلافی معاملہ آپ نے پہلے دو خلفا کا رویہ ٹھہرایا ہے ۔۔۔ !

میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آپ نے خلفا میں سے پہلے دو بزرگواروں کا انتخاب کس مصلحت کے پیش نظر فرمایا ہے ۔۔۔ ؟ اگر منصب خلافت کی حیثیت سے دیکھا جائے ۔ تو جیسے یہ بزرگوار خلیفہ کہلاتے ہیں تیسرے اور چوتھے بھی تو خلیفہ ہی ہیں ۔ امیر معاویہ یزید ، باقی خلفائے بنی امیہ ، بنی عباس ، آل عثمان ۔ فاطمیین وغیرہ بھی تو مسند آرائے خلافت رہے ہیں ۔۔۔ آج یہ منصب ان سے کیوں چھینا جا رہا ہے ۔ ؟ کیا یہ گمان تو نہیں کہ شیعہ اُن کی خلافت پر تو ایمان رکھتے ہیں اور خلافت کے اس سلسلہ میں صرف انہی دو بزرگواروں کو نہیں مانتے ؟ یا آپ ان کو خلفا نہیں مانتے اور صرف ان دو بزرگوں کو خلیفہ مانتے ہیں ۔ ؟ ان کی محرومی کی وجہ اور ان کے استحقاق کی دلیل ؟ اور اگر باقیوں کے کردار نے آج کے روشن دماغ انسان کو اُن سے باغی کر دیا ہے تو فرمائیے ؟ اُن مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا جو ان کو خلیفۂ رسول مان کر ان کی بیعت کرتے رہے ۔۔۔ آخر یہ خلافت راشدہ اور غیر راشدہ کی تفریق کیسی ۔۔۔ ؟ کیا نبوت راشدہ اور غیر راشدہ بھی ہوتی ہے ؟ کہ اس کی نیابت کی یہ حد بندیاں کی جائیں ۔۔۔ پھر خلافت راشدہ کی عبا سے خلافت کو بچانے کے معنی ؟ اور خصوصیت سے پہلے دو بزرگوں کی عظمت کے گرد عقیدتوں کے حصار بنانے کی وجہ ؟ حضرت علیؑ کے استثنا کی توجیہ بظاہر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ آپ کی ذات تو سنی و شیعہ میں مسلمہ ہے ۔ لیکن تیسرے بزرگوار کو آخر آپ نے کیوں شامل نہیں فرمایا ۔۔۔ ؟ اگر منصب خلافت واجب الاحترام ہے تو آپ کو یہ حق کہاں پہنچتا ہے کہ بعض کو آپ محروم کر دیں اور بعض کو نہ کریں ۔ بعض کو اس کا استحقاق بخش دیں اور بعض کے حصہ میں حرمان ۔۔۔ اور اگر انفرادی طور پر ان کے تقدس کو دیکھ کر اہلیت کا فیصلہ کرنا ہے ۔ تو یقیناً ان کے اعمال و کردار کو وزن کرنا پڑیگا ۔ اگر یہی معیار ہے تو ان دو بزرگوں کو بھی اگر میزانِ اعمال پر وزن کیا جائے ۔ تو گھبراہٹ کیسی ؟

۸۔ ارشاد ہوتا ہے " اس اختلاف کی بنیاد تاریخ ، احادیث اور روایات پر ہے اور یہ لٹریچر دونوں فرقوں کے ان مسخ شدہ اور دستبرد انسانی سے پامال شدہ لٹریچر ہے " ۔

کیا اس کا یہ مطلب نہیں ؟ کہ تاریخ ، احادیث اور روایات سے یکسر اعتماد اٹھا لیا جائے ۔ یہ لٹریچر صرف اسی مسئلہ کی حد تک ناقابل اعتماد ہے یا تمام مسائل میں بھی ۔۔۔ ؟ اسی ایک مسئلہ میں تخصیص کی تو کوئی معقول وجہ نہیں ۔ اور اگر تمام مسائل کو اس کی لپیٹ میں لیا جائے تو فرمائیے ۔۔۔ ؟

مسلمانوں کے اس صدیوں کے علمی سرمایہ اور تاریخی ورثہ کی کیا گت بنے گی؟ کیا برباد ہو کر نہ رہ جائیگا؟ اسلامی تعبیرات و تفسیرات، عبادات و اخلاقیات، معاشیات و عمرانیات، معاشرت و سیاسیات، احکام و مسائل، اصول و ضوابط کی ایک ایک کرکے مٹی پلید نہ ہو جائے گی؟ اور اگر آج یہ مسلمان آپ کے اس اصول کو تسلیم کریں۔ تو یہ ان کی قومی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہوگا۔ اور ایک اہم ترین سانحہ بھی — دنیا میں کسی قوم کا ترکہ تو یہی اس کا ادب و لٹریچر ہوتا ہے اور اس کو آپ نے بیک جنبش قلم مٹا کر رکھ دیا ہے۔ میں دوسرے برادرانِ اسلام کی جانب سے تو کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ شیعوں کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے استدعا کئے دیتا ہوں کہ آپ شیعوں کے احادیث و آثار کو مسخ شدہ اور دستبردِ انسانی سے پامال شدہ لٹریچر ثابت کرنے کے لئے ٹھوس علمی دلائل پیش فرمائیں۔ تاکہ ان پر غور کیا جاسکے۔

۹۔ شیعوں کے ہاں یہ دونوں حضرات غاصب تھے اور سنیوں کے ہاں واجب الاحترام کس فرقہ کی روایات صحیح ہیں؟ کچھ نہیں کہا جاسکتا"۔

دنیا میں صرف یہی اختلاف تو نہیں۔ آخر اور اختلافات بھی تو ہیں۔ ان میں حق و باطل کو جانچنے کے لئے کیا معیارات ہیں؟ آخر ان معیارات کو یہاں کیوں نہیں کام میں لایا جاسکتا کیا کسی قاضی و جج کو یہ حق پہنچتا ہے؟ کہ وہ یہ کہے کہ مدعی و مدعا علیہ کے بیانات میں تضاد ہے۔ اور گواہوں کے بیانات بھی مختلف ہیں۔ اس لئے کچھ کہا نہیں جاسکتا — اور اگر ایسا ہونے لگ جائے، تو ساری دنیا سے عدلیہ کا جنازہ اٹھ جائے۔ کہاں کی عدالتیں اور کہاں کے فیصلے — اگر حق و باطل اتنے مشتبہ ہیں۔ کہ انسان کی قوت فیصلہ یہاں آکر بے بس ہو جاتی ہے۔ تو آخر یہ جزا و سزا کیسی؟ اور پھر ان آیات قرآنی کے کیا معنی ہیں۔

(۱) جاء الحق وزھق الباطل (۲) قد تبین الرشد من الغی

۱۰۔ کچھ روایات شیعوں کے ہاں ایسی موجود ہیں جن سے ان بزرگوں کا متقی ہونا ثابت ہوتا ہے —!

اگر واقعی ایسی روایات موجود ہیں تو انہیں منظر عام پر لانا چاہئے۔ تاکہ غلط فہمیوں کے بادل چھٹ جائیں۔ اور حقائق آشکارا ہو کر رہیں۔ آپ کی یہ سعی علمی دنیا پر بڑا احسان ہوگی تحقیقات کی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔ اور آپ کی علمی ریسرچ RESEARCH کا قابل قدر شاہکار بھی۔

"لیکن سید علی نقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ روایات سنیوں نے انکی کتابوں میں لکھ دیا۔
علامہ ممدوح نے تو کہیں بھی ایسا نہیں فرمایا۔ میں کیا عرض کروں ؎
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

۱۲۔ سنیوں کے ہاں بھی وہ لکڑیاں لے کر حیدر رضی اللہ عنہ کے حرم کو جلانے کی روایت ملتی ہے وہ کہتے ہیں کسی شیعہ نے ان کی کتابوں میں لکھ دی۔"
کیا خوب —! گویا یہی ایک روایت ہے جس پر اس سارے خون خرابہ کی اساس ہے اور کوئی روایت بھی تو ایسی نہیں — اور اس کا بھی کتنا مسکت خصم جواب —! اگر واقعی یہ جواب ہمارے سنی بھائیوں کا ہے، تو ان کی حالت قابل رحم ہے۔ اگر یہ اور اس قبیل کی دیگر روایات شیعوں نے ان کی کتابوں میں لکھ دی ہیں تو دوسری قسم کی شاید خوارج اور دیگر نوسلم یہودیوں اور عیسائیوں نے لکھ دی ہوں۔ اور ان کی اپنی ایک روایت بھی تو نہ ہو۔ جب ایسے دلائل پر مدار ٹھہرا تو حقیقتوں تک کیسے پہنچا جائے۔

۱۳۔ بہرحال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی روایات میں جعل و وضع کا عنصر موجود ہے"۔ یہ آپ کا مفروضہ ہے۔ اگر شیعوں میں کسی ذمہ دار نے ایسا تسلیم کیا ہے تو بیان فرمائیے۔ ورنہ یوں کہئے" آپ کو کہاں تک حق پہنچتا ہے —؟

۱۴۔ ان مشتبہ، ظنی اور گوش بریدہ روایات پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹنا یعنی چہ؟"
اگر یہ روایات مشتبہ ظنی اور گوش بریدہ ہی ہیں۔ اور ان کو ایمان و اعتقاد کی اساس نہیں بنایا جا سکتا تو فرمائیے! آپ کو یہ کہنے کا حق کیونکر پہنچتا ہے "کہ میرا یہ ایمان ہے کہ حضرت علی کے تعلقات خلفائے ثلاثہ سے نہایت عمیق اور مخلصانہ تھے" یا یہ فرمانا "کہ یہ سب خواہشات نفسانی سے عاری۔ اللہ کے سپاہی بے نفس، نہ دنیا کی لالچ نہ منصب کی خواہش"
یہ ایمان اگر آپ نے انہی ظنی و گوش بریدہ روایات سے نہیں لیا۔ تو آخر کہاں سے لیا ہے — کسی وحی کی ترجمانی تھا۔ اور اگر اختلاف روایات کی بنا پر ان سب کو آپ ناقابل اعتماد ٹھہراتے ہیں۔ تو آپ کا یہ مقرر کردہ اصول ہمیں ایک ایسی پرخطر وادی میں لے جائیگا جہاں تباہی و ہلاکت حتمی ہے اس کی کیا ضمانت ہے کہ آگے جا کر آپ کی آزاد خیالی یہ کہنے نہ لگ جائے کہ تورات، زبور، انجیل اور قرآن آسمانی وحی مانی جاتی ہیں لیکن ان میں تو اختلاف اور تضاد بیانی ہے۔ یہ سب مشتبہ، ظنی اور گوش بریدہ روایات ہیں۔ ان کی تعلیمات یقینی کہاں؟ اور ان کی بنا پر اہل کتاب کا ایک دوسرے

کا گلا کاٹنا یعنی چہ ؟

۱۵۔ ان اختلافی روایات کو اب بیان کرنے کا فائدہ کیا ۔ ؟"

یہاں میں سید علی نقی صاحب قبلہ کی عبارت ہی نقل کئے دیتا ہوں جو بڑی جامع و مانع ہے "شیعی احساسات کے لحاظ سے یہ کہنا بالکل عجیب منطق کی حیثیت رکھتا ہے ، کہ ان باتوں کے بیان سے فائدہ کیا ۔ ؟ مثال کے طور پر کسی کا گھر لٹ جائے وہ کسی وقت دردمندانہ انداز میں اس امر کا ذکر کر رہا ہو ۔ آپ کہیں کہ اب اس کے ذکر سے فائدہ کیا ؟ وہ سامان مل تھوڑی جائیگا اس اصول کی رو سے تو قرآن مجید پر بھی اعتراض وارد ہوگا ۔ کہ اس نے گذشتہ انبیاء مرسلین کے واقعات کیوں بیان کئے اور ان مظالم کا جو ان کی قوم نے ان کے ساتھ کئے وہ کس لئے تذکرہ کیا ؟ آخر ابراہیم و نمرود کے قصے کے بیان سے کیا فائدہ ؟ کیا نمرود اب مسلمان ہو جائیگا ؟ اور ابراہیم کی ایذا رسانی سے باز آجائیگا ۔ بنی اسرائیل کے وہ تمام بچے جو فرعون نے قتل کرا دیئے تھے اب دوبارہ زندہ تو نہیں ہو جائیں گے ۔ پھر آخر قرآن مجید میں اس تذکرے کا حاصل کیا ۔ ؟ سب سے پہلے ابلیس نے جو آدم کے سجدے کا انکار کیا تھا ، تو بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب نہ آدم پھر پیدا ہونگے ۔ اور نہ ابلیس انہیں سجدہ کریگا ۔ پھر بار بار اس کے ذکر سے فائدہ ہی کیا ؟

۱۶۔ نقصان تو سامنے ہے خونریزی ہوتی ہے ۔ قوم کا شیرازہ بکھرتا ہے اور دنیا ہم ہنستی ہے "

اگر مذہب سے ایک دل برداشتہ انسان آپ کے الفاظ کو اس طرح دہرانے لگے کہ مذہب کا کیا فائدہ ؟ نقصان تو سامنے ہے کہ خونریزی ہوتی ہے ۔ انسانیت کا شیرازہ بکھرتا ہے ۔ اور ہر چیز کو ہم پر ہنسی آتی ہے ، تو کیا ایسا کہنے میں وہ حق بجانب ہوگا ۔ ؟ جیسے مذہب کا دامن ان خونریزیوں سے پاک ہے ۔ اسی طرح یہ بھی ، یہ تو محض انسانی خود غرضیوں کی گلکاریاں ہیں ۔ ان سے گلو خلاصی کی تدابیر سوچنی چاہئیں ۔

۱۷۔ کیا یہ شیعوں کا اخلاقی فرض نہیں کہ کروڑوں سنیوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے مجمع ہائے عام میں ان بزرگوں کو برا نہ کہیں ۔

بے شک یہ ان کا نہ صرف اخلاقی بلکہ تمدنی و معاشرتی فرض بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے جذبات کا احترام کریں ۔ شیعہ حضرات کب انہیں اجتماعی مقامات اور مجامع میں برا کہتے ہیں کہ ان سے اپیل کی جا رہی ہے ۔

۱۸۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نجاشی کے نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے جب قرآن میں منافق کی نماز جنازہ سے روکا گیا ہے۔ تو یہ کیونکر صحیح ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو حضورؐ کو اس کے اسلام و ایمان کا علم ہو چکا ہو گا۔

۱۹۔ سید علی نقی فصل چاہتے ہیں اور آپ وصل

سید علی نقی صاحب قبلہ بھی وصل ہی کے داعی ہیں۔ البتہ مذہب سے الگ ہو کر وصل کے خواہاں نہیں اور لادینی کے وصل کی حقیقت ہی کیا ہے ـــ؟

۲۰۔ جناب کا اس اہم موضوع پر صد بار لکھنے کا عزم قابل قدر ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کو فرصت نصیب ہو۔

ناچیز :- سید نصیر حسین نقوی

(بقیہ صفحہ ۵۶) قریباً تمام مکمل ہو چکے ہیں انشاء اللہ عنقریب اسکی کتابت شروع ہو جائیگی۔ اس کتاب پر اندازاً دس یا بارہ ہزار روپے خرچ ہونگے۔ مخیر و مخلص حضرات محبان امام مظلوم علیہ السلام کی خدمت میں پُر زور اپیل ہے کہ اپنے اپنے عطیات براہ راست مدیر ادارہ معارف اسلام رجسٹرڈ لاہور کو ارسال فرمادیں۔ یہ ضرورت وقت کی مناسبت سے ایک مفید ترین اور تاریخی کارنامہ ہے جس کے لئے گذشتہ تمام تاریخ میں تشنگی محسوس ہوتی رہی ہے۔

(۵) **اسلامی معاشرہ** اور **تحقیق حدیث** انا مدینۃ العلم۔ یہ ہر دو کتب تمام ممبران ادارہ کی خدمت میں ارسال کی جاچکی ہیں۔ جن صاحبان نے مہر کے ٹکٹ ارسال فرمائے انہیں بذریعہ رجسٹری ارسال کردی گئیں

(۶) **معارف اسلام پریس فنڈ** بعض ہمدردان ملت نے استفسار فرمایا ہے کہ متوقع "معارف اسلام پریس" و روزنامہ کی نوعیت کیا ہوگی جواباً گذارش ہے کہ جس طرح ادارہ معارف اسلام کسی کی ذاتی ملکیت یا تجارتی حصہ داری نہ کمپنی نہیں ہے۔ بعینہ معارف اسلام پریس بعض ہو گا۔ نہ ہی تو یہ حصص فروخت کرنے کا پروگرام ہے نہ ہی یہ کوئی لمیٹڈ کمپنی ہے بلکہ تمام قوم کی ضابطہ کے ماتحت مشترکہ ملکیت ہوگی۔ اس میں جو کچھ بھی آپ دینگے یہ آپ کا عطیہ ہو گا۔ ممبران ادارہ و دیگر محبان قرآن و اہلبیت کی خدمت میں درخواست ہے کہ اپنا اپنا عطیہ جلد از جلد براہ راست حبیب بنک لمیٹڈ شاہ عالمی گیٹ لاہور کو ارسال فرمادیں

(۷) آئندہ سالانہ جنرل میٹنگ کی تاریخ کا اعلان عنقریب کر دیا جائیگا۔ جو کہ ادارہ کی مجلس نظامت کی متوقع میٹنگ میں طے ہو گی (ادارہ)

خط کے جواب کیلئے جوابی ٹکٹ اور چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں

استفسارات

"راشدین" کے مصداق اور "صاحبان استخلاف" - "عہد رسولؐ میں اولی الامر کا نام اور پتہ" - "اقبال کا ایک شعر" اور "شرکت نمازِ جنازہ"

سوال منجانب شاہ پیر میاں صاحب کاظمی المشہدی شنکیاری - ضلع ہزارہ

گزشتہ شمارہ میں میرے سوال نمبر ۳ کے جواب میں آپ نے فرمایا ہے کہ خلفائے راشدین کے مصداق کون ہیں؟ سنیوں کے نزدیک اصحاب ثلاثہ کی حکومت اور مولائے علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانے ہیں۔ آپ نے تشریح میں قرآن حکیم کی آیات سے آدمؑ و نوحؑ اور داؤدؑ کی خلافت ثابت کی ہے

جہاں تک سورہ نور کی آیات زیر بحث کا تعلق ہے۔ وہاں کچھ اور ثابت ہوتا ہے یعنی وہاں ان آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

اللہ نے ایمان والوں اور اعمال صالح کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں دنیا میں سلطنت (خلافت) عطا کریگا۔ جس طرح کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی اور ان پر دین کو جو ان لوگوں کے لئے پسند کیا ہے۔ تمکنت عطا کریگا (ظاہری جاہ و جلال عطا کریگا۔ اور مضبوطی عطا کریگا)۔

میرا مقصد ہے کہ ان آیات کے مصداق پہلے اصحاب ثلاثہ مع علیؑ ہی بہتر ہیں بلکہ ہر وہ مسلمان ہو سکتے ہیں جن میں مندرجہ بالا خوبیاں ہوں۔

اگر آپ والا ترجمہ اور بحث اختیار کریں۔ جو آپ نے شمارہ مئی ۶۵ء میں درج کیا ہے تو پھر خلافت کے حق دار سوائے انبیاء کے اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ آئندہ شمارہ میں مزید تشریح فرما دیجئے؟

الجواب:۔ گذشتہ شمارہ میں "خلفائے راشدین" کے مصداق کے متعلق سائل کا عقیدہ محض اس لئے دریافت کیا گیا تھا۔ تاکہ اس خیال اور عقیدہ کی مناسبت سے معقول جواب دیا جا سکے آپ فرماتے ہیں کہ اس سے ان کا مطلب حضرات اصحاب ثلاثہ اور مولا علی علیہ السلام ہیں۔ ہم اس بارے میں بذات خود کچھ رائے نہیں دیتے۔ بلکہ

خالق عالمین ہی کا جواب اس کی کتاب سے پیش کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے سامنے نہ شیعہ کو مجال دم زدن ہے نہ سُنی کو۔ سب مسلمان سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں راشدین کی تعریف صاف لفظوں میں یوں بیان کی گئی ہے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون (پ ۲۶ ع ۱۳ الحجرات)

ترجمہ - لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں زینت دے دی اور ناپسند کیا ہے تمہارے لئے کفر اور فسق اور گناہ۔ ایسے ہی لوگ ہیں ہدایت یاد (جلالین) پانے والے۔

اب آپ اس معیار کے مطابق راشدین کا پتہ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کافر، فاسق یعنی نافرمان اور گنہگار راشدین کی صف میں نہیں آ سکتا جب بموجب فرمان الٰہی یہ برائیاں ایسے افراد کیلئے ناپسندیدہ ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ان پر کبھی عامل بھی نہ رہے ہونگے کیونکہ کبھی ایکدفعہ بھی عامل ہوگئے تو یہ برائیاں ان کے لئے پسندیدگی کی زد میں آ جاتی ہیں لہٰذا راشد کا کسی وقت بھی ان برائیوں کا عامل نہ ہونا ثابت ہے۔ وہ صاحب عصمت ہو سکتا ہے یا معصوم نہ ہونیکے باوجود برائیوں سے بچا رہا ہو اور دعوئے عصمت بعد از رسولؐ سوائے اہلبیتؑ طاہرینؑ کے اور کسی کیلئے نہیں کیا گیا اور آیہ تطہیر و دیگر کئی آیات عصمت اہلبیتؑ پر دلالت کرتی ہیں جس سے مندرجہ بالا آیہ راشدین کی سچائی ظاہر کرتی ہے۔ غیر معصومینؑ میں مثل حضرت سلمانؓ فارسی یا خاندان اہلبیتؑ کے دیگر افراد شامل ہیں۔

۱۔ آیت استخلاف جس کے متعلق وضاحت طلب کی گئی ہے مکمل یوں ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (پ ۱۸ ع ۱۳ النور)

اس کا لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین اہلسنت دہلوی نے یوں کیا ہے۔

"وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے کہ ایمان لائے تم میں سے اور کام کئے اچھے۔ البتہ خلیفہ کرے گا اُن کو بیچ زمین کے جیسا خلیفہ کیا تھا اُن لوگوں کو کہ پہلے اُن سے تھے اور البتہ ثابت کرے گا واسطے اُن کے دین اُن کا جو پسند کیا ہے واسطے اُن کے۔ اور البتہ بدل دے گا اُن کو پیچھے ڈر اُن کے کے امن۔ عبادت کریں گے میری نہ شریک

لادیں گے ساتھ میرے کچھ اور جو کوئی کفر کرے پیچھے اس کے پس یہ لوگ وہی ہیں فاسق

یہ ترجمہ لفظ بلفظ تمام آیت کے عربی الفاظ کا ہے اور اسے شاہ رفیع الدین اہلسنت کی سند بھی حاصل ہے۔" خلافت" سے "سلطنت" مراد لینا محض ذاتی رائے ہے۔ آیت کے کسی لفظ سے "سلطنت" ظاہر نہیں ہوتا۔ درآنحالیکہ "من قبلھم" سے اسکی وضاحت بھی ہو جاتی ہے اسی لئے ہم نے پہلے لوگوں میں سے قرآن ہی سے حضرت آدمؑ و داؤدؑ و ہارونؑ کی مثال پیش کی تھی۔ اور ثابت کیا تھا کہ ماقبل یہ بھی خلیفہ بنائے گئے" چونکہ خدا تم انہیں ویسے ہی بنائے گا۔ جس طرح کہ پہلے بنائے گئے" تو ہم نے ان قرآنی خلیفوں کا طریق تعین پیش کیا تھا کہ وہ خود خدا نے بنائے لوگوں نے نہیں بنائے لہذا آیت مندرجہ کی رو سے بھی جن کو خدا بنائے انہیں تسلیم کرنا چاہیئے جن کو لوگ بنائیں ان کو اس آیت کا مصداق نہ سمجھنا چاہیئے۔

ہم کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے کسطرح بنائے گئے" تاکہ اسی معیار پر آئندہ بننے والوں کو بھی جانچ سکیں۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ قرآن کی رو سے دیکھیں کہ پہلے خلیفے کس طرح بنائے گئے" آیت وعد اللہ الذین .... کے مصداق کی نشاندہی کے لئے یہی اصول استعمال کر سکتے ہیں چاہے وہ حضرات اصحاب ثلاثہ ہوں یا امیر المومنین علی علیہ السلام یا کوئی اور صاحب ایمان۔ اگر اسے خداوند تعالیٰ نے بنایا ہے یعنی اسے نص صریحی حاصل ہے جس طرح کہ خدا پیشتر بناتا رہا تو وہ واقعی راشدین میں سے ہے اور اگر کوئی غلبہ سے بن گیا یا لوگوں کے بنانے سے سلطنت پر قابض ہو گیا تو وہ نہ تو خلفائے راشدین میں سے ہے۔ نہ ہی اس آیت قرآن کا مصداق۔

جس کسی کے ہاتھوں میں بھی سلطنت آجائے آپ اسے خلیفہ یا اس آیت کا مصداق نہ سمجھئے۔ اس صورت میں تو بے شمار غیر مستحق۔ گنہگار۔ ایمان سے بری۔ خدا کے نافرمان ظالم و جابر بادشاہ (مسلم و غیر مسلم) آپ کو سلطنتوں پر قابض نظر آئیں گے ہم کہتے ہیں کہ اہلبیتؑ طاہرین جن کی عصمت مسلم الثبوت ہے اور سینکڑوں آیات قرآن صفت و ثنا میں نازل ہوئیں۔ پھر اولیائے کرام جن کی بزرگی و ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔ ان سے بڑھ کر درجہ بدرجہ ایمان لانے اور اچھے کام کرنے کی صفات اور کن میں ہوں گی جب ان مقدسین و بزرگان دین کو سلطنت دنیا نہیں دی گئی اور دین اللہ کی راہ میں

تمام عمر مصیبتیں اٹھاتے رہے تو اس آئت میں "خلافت" سے "سلطنتِ دنیا" اور "امن" سے ظاہری جاہ وجلال مراد لینے سے خدا کا وعدۂ خلافت (نعوذ باللہ) جھوٹا یا غلط ہو جائے گا یہ وعدہ خداوندی جبھی حق ثابت ہو سکتا ہے جبکہ خلافت کے وہی معنی لئے جائیں جو اس کے معنی ہیں "خلیفہ" مشتق ہے خَلف سے جس کے معنی پیچھے آنے کے ہیں۔ یعنی جس کا خلیفہ ہو اس کا جانشین چاہے اس کی زندگی میں اس کے ماتحت یا اس کی زندگی کے بعد اس کے کام یا مشن کو قائم اور جاری رکھنے والا اپنی یا اپنے رسولؐ کی خلافت دنیا بہت بڑا عطیہ خدا ہے۔ جو صرف سلطنت دنیا یا دنیاوی تمکنت وجاہ وجلال سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرتبہ خلافت ان چیزوں سے بہت ہی بلند ہے۔ خداوند تعالےٰ نے خلافت دینے کے لئے عہد رسولؐ سے پیشتر کے تمام عہد کی طرح ہوئے آئیت زیر بحث بعد میں بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا نہ کہ جمہوریت یا غلبہ۔ یا شورے یا شخصی استخلاف۔

لہذا اس منصب سے صرف دُنیاوی حکومت ہی مراد نہیں لی جا سکتی اور نہ ہی "امن" سے دنیاوی آرام وآسائش ہی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ جوں جوں دنیا میں آرام وآسائش کے زیادہ سامان پیدا ہو رہے ہیں بدامنی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ جب انبیاء وآئمہ وعلمائے حق کو دنیا میں بے حد مصائب اٹھانے کے بعد بھی سلطنت وآسائش دنیا نہ دی گئی تو کیا اس سے خداوند تعالےٰ کا (نعوذ باللہ) ظلم ثابت نہیں ہوتا۔ غور فرمایئے کہ خداوند تعالےٰ پر حق الیقین رکھنے اور دین اسلام کو اپنا سب کچھ دے کر بچا لینے سے بڑھ کر درجہ ایمان اور عمل صالح اور کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اس مقام پر بدرجہ اتم فائز ہیں جب ان کو سلطنت یا اقتدار حکومت دنیا اور ظاہری جاہ وجلال و آرام وآسائش بروئے اس آئت کے عطا نہ ہوئے تو خلافت سے سلطنت دُنیا کیونکر مراد لیا جا سکتا ہے بلکہ صاحبان سلطنت نے تو انہیں ملیا میٹ کرنے سے دریغ نہ کیا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں تلے اپنی اور اپنے اعزہ وانصار کی لاشوں کو روندوانے سے کیا دنیاوی جاہ وجلال حاصل ہوا۔ مگر واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ وہ رسولِ خدا کے صحیح جانشین ثابت ہوئے انہوں نے رسولِ خدا کے مشن کو جاری رکھا بلکہ زندہ کیا اور وہ نفسِ مطمئن کے مقام پر بھی فائز تھے یہی مطلب اس آئت میں "من بعد خوفھم امنا" سے ہے نہ کہ دنیاوی جاہ وجلال اور تمکنت وآسائش جو کہ بدی کا پیش خیمہ یا برائیوں کا مقصد بنتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کو

خلافت بھی ملی اور امن و اطمینان حقیقی بھی میسر ہوا۔ وعدۂ خدا حق ثابت ہوا۔

اگر آپ کا یا آپ کے دوست دیوبندی صاحب کا نظریہ درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو بے شمار نبیوں کو نبوت سے ہٹنا پڑے گا۔ اماموں کی امامت ٹلتی نظر آئے گی۔ صاحبان ایمان کو ایمان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام کو سلطانِ وقت نے آگ میں ڈلوایا۔ موسٰے علیہ السلام کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ ایک ہی شب میں مع اپنی قوم کے جانے پر مجبور ہو گئے۔ عیسٰے علیہ السلام کو سولی دینے کے لئے قید خانے میں ڈالا گیا۔ حضرت زکریا کو آرے سے چیرا گیا۔ حضرت یحیٰی کو قتل کیا گیا وغیرہ وغیرہ کیا ان کو سلطنتیں ملیں۔ اگر حکومت و سلطنت کو لازمۂ نبوت و خلافت قرار دیا جائے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے سوائے حضرت سلیمان و داؤد میں سے کوئی بھی اس انعام سے مستفیض نہ ہوا۔ سوائے ان دو نبیوں کے کوئی نبی خلیفۃ اللہ نہیں رہتا یہ تو ہوئے باقی کے اب ائمہ کو لیجیے ائمہ قتل ہوئے زہر پی دی گئیں گوشہ نشین ہوئے۔ قید وبند کی مصیبتیں برداشت کیں چلئے ان معصومین کو چھوڑیئے اصول کو پرکھنے کے لئے آئمہ اربعہ اہلسنت ہی کو لیجئے۔ شیعہ و سنی جید علمائے دین ہی کو دیکھئے۔ شیعہ و سنی محدثین و صوفیا کرام ہی پر نظر ڈالئے۔ اپنے اپنے فرقے کے نزدیک سب ہی کو ایماندار اور عمل صالح پر عامل سمجھتے ہیں۔

ان سب میں بے شمار مثالیں قید و بند کی اور مصائب میں مبتلا ہونے کی ملتی ہیں۔ اور سلطنت کسی کو بھی حاصل نہ ہوئی۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔ کہنہ لباس پہنے۔ حکومتوں کے زیر عتاب رہے۔ عوام سے مصائب برداشت کرتے رہے۔ آپ کا نظریہ تسلیم کیا جائے۔ تو ان کو خلافت نہ ملنے سے یہ سب ہی (معاذ اللہ) ایمان سے تہی دست اور عمل صالح سے خالی نظر آئیں گے۔

ہمارے بیان کے حق میں قرآن حکیم میں کئی آیات ایسی بھی موجود ہیں۔ جن میں خلافت کا اطلاق غیر انبیاء پر بھی ہوتا ہے اور وہ بھی خود خدا ہی نے بنائے۔ مثلاً ھو الذی جعلکم خلٰئف فی الارض۔ (پ ۲۲ ع ۱۰ الفاطر) یعنی وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور فکذبوہ فنجینٰہ ومن معہ فی الفلک وجعلنٰھم خلٰئف واغرقنا الذین کذبوا بآیٰتنا (پ ۱۱ ع ۱۳ یونس) یعنی پس ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔ پس ہم نے ان کو اور جو کشتی میں ان کے ساتھ تھے۔ نجات دی اور ان کو خلیفہ بنایا۔ اور جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ان سب کو ڈبو

دیا۔ بہرحال ماننا پڑے گا کہ حکومت و سلطنت لازمہ نبوت و خلافت نہیں۔ بلکہ نبوت و خلافت الٰہی عہدے ہیں جو خود خدا مقرر کرتا ہے۔

اگر مندرجہ بالا جواب تسلی بخش نہیں تو مطلع فرما دیں ہم حضرت صدر ادارہ سے درخواست کریں گے کہ وہ اس موضوع پر جامع مقالہ سپردِ قلم کر دیں۔

سوال۔ منجانب سید منظور حسین نقوی البخاری۔ خانپور۔ چکوال:-

"معارف اسلام" ۱۰ اپریل ۱۹۵۸ء کا ملا۔ پرچہ بہت ہی اچھا ہے۔ کافی لوگ رسالہ معارف اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں میرے ایک دوست ماسٹر صاحب ہیں۔ اسم گرامی مرزا خادم حسین ہوشیارپوری ہے عربی فارسی سے کافی واقف ہیں انہوں نے اس شمارہ میں کتاب "جمہوریت و امامت" کی اقساط صد ۹۲ صد ۹۳ صد ۹۴ وغیرہ غور سے پڑھے اور مندرجہ ذیل سوالات میری وساطت سے کئے ہیں:-

(۱) رسولؐ کے زمانہ میں "اولی الامر" کون تھا؟ کیا نام تھا؟

(۲) کس کی پیروی رسولؐ کے زمانہ میں جائز تھی؟

الجواب:- دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں دعوت ذو العشیرہ کے واقعہ سے آپ کی تمام باتوں کا جواب حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ آیہ مبارکہ "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی اور حضرتِ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اقربین میں دعوتِ اسلام کا آغاز کیا۔ ہم طوالت کے خوف سے مکمل واقعہ نہیں لکھتے محض وہ الفاظ جو آپ کے سوال سے تعلق رکھتے ہیں مستند تواریخ کے الفاظ میں درج کرتے ہیں:-

"جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے۔ اس وقت رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کوئی عرب مجھ سے پہلے اس سے بہتر کوئی نعمت تمہارے پاس لایا ہو۔ جو میں تمہارے لئے لایا ہوں اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کا حکم دیا ہے تم میں سے کون شخص اس معاملہ میں میرا بوجھ بٹانے کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور میرا بھائی میرا وصی میرا جانشین اور میرا خلیفہ بننا چاہتا ہے۔ اُس وقت سب موجود تھے اور حضرتؐ پر ایک ہجوم تھا سب خاموش ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے حضرت علی کھڑے ہو گئے اور بولے یا رسول اللہ میں اگرچہ اس مجمع میں سب سے چھوٹا ہوں مگر میں آپ کا بوجھ بٹاؤں گا اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر میں آپ کے دشمنوں کے نیزہ ماروں گا۔ ان کی ٹانگیں کاٹ ڈالوں گا اور پیٹ چیر ڈالوں گا

اور آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔ حضرتؐ نے اس وقت علیؑ مرتضیٰ کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا کہ تحقیق یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے سب اس کی سنو۔ اور اسکی اطاعت کرو یہ سن کر سب گروہ از روئے تمسخر کھڑا ہو گیا۔ ابوطالب (والد حضرت علیؑ) سے کہنے لگا کہ اپنے بیٹے کی اطاعت کر . . . . . الخ"

(یہ واقعہ مندرجہ ذیل کتب معتبرہ میں کم و بیش الفاظ میں ہر ایک میں موجود ہے۔ تاریخ ابوالفداء، تاریخ طبری۔ تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ حبیب السیر۔ تاریخ کبیر۔ تاریخ الاسلام عباسی۔ تاریخ الاسلام دہلوی۔ تفسیر ابن جریر۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سراج المنیر۔ ابن اثیر۔ ابن ابی حاتم۔ منتخب کنز العمال۔ حاشیہ مسند امام احمد حنبل۔ معارج النبوۃ۔ محمد اینڈ ہز سکسرز (واشنگٹن اروِنگ) اپولوجی فار محمد اینڈ قرآن۔ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ۔ نیو پاپولر سائیکلو پیڈیا اور سیرۃ النبی شبلی نعمانی وغیرہ وغیرہ)

اسی واقعہ میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب آ گیا۔ عہد رسولؐ میں اولی الامر کی اچھی طرح نشاندہی بھی اور نام بھی پتہ لگ گیا۔ کسی کی پیروی کرنے کیلئے نہ صرف ارشادات رسولؐ بلکہ قرآن میں آیات موجود ہیں جو کہ بطور اصول کے پیش کی جا سکتی ہیں: "ولا تتبع اھواء الذین لایعلمون (پ ۲۵ ع ۱۸) اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ پھر ارشاد ہے۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لایھدی الا ان یھدیٰ فما لکم کیف (پ ۱۱ ع ۹) آیا وہ شخص جو حق تک پہنچا دے اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو خود راستہ نہیں ملتا جبتک کہ کوئی اور اُس کو راستہ نہ بتلا دے۔ اولی الامر منکم والی آیت میں بھی پیروی کرنے کا حکم ہے۔ اور ان ہر دو آیات میں بھی حکم ہے کہ جو علم نہیں رکھتے اُن کی پیروی نہ کرو۔ لہٰذا اولی الامر کا عالم ہونا شرط ہے۔ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کا وہ مشہور قول جو کسی قضیہ کا غلط فیصلہ فرماتے وقت اور حضرت امیر المومنینؑ کے متوجہ کرنے اور درست فیصلہ دینے پر فرمایا کرتے تھے یعنی لولا علی لھلک عمر" (بحوالہ ازالۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ دہلوی و تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز) "اگر علیؑ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا" اس پر شاہد ہے کہ باوجود حضرت عمرؓ کے سلطنت اسلامیہ کا امیر ہونے کے وہ ان معاملات میں حضرت علیؑ ہی کی اطاعت اختیار فرمایا کرتے تھے۔ غور طلب یہ ہے کہ اپنے عہد میں حضرت عمرؓ کی عدالت مانند سپریم کورٹ کے آخری عدالت تھی۔ کسی مقدمہ کا آخری فیصلہ اسی عدالت میں ہوتا تھا۔ مگر اس عدالت سے فیصلہ ہو چکنے کے بعد اُسے منسوخ کرنا اور

تبدیل کرانا یہ محض اولی الامر وقت ہی کا کام تھا جس کے لئے "تاریخ سے کئی مثالیں ملتی ہیں جیسا کہ قول حضرت عمرؓ سے ظاہر ہے۔

نیز جناب سرور عالمین پیغمبر اکرمؐ کے ارشادات " انا مدینۃ العلم وعلی بابھا ۔ الخ" میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ جس نے علم حاصل کرنا ہے وہ دروازہ پر آئے۔ اور "اقضاکم علیؑ" وغیرہ (متفق علیہ) بھی بموجب آیات مندرجہ بالا اولی الامر کے علیم ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ دیگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد منقول ہے کہ ارشاد فرمایا میری امت میں میرے بعد سب سے زیادہ علم والا علی ابن ابیطالب ہے (اخرجہ الدیلمی ارجح المطالب)

فاضل جلیل سید فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن میں آیت اولی الامر منکم کے متعلق بہت واضح بیان دیا ہے۔ لکھتے ہیں "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اولی الامر سے مراد حاکم وقت ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اس سے مراد آئمہ معصومینؑ ہی ہیں۔ کیونکہ خدا نے جس طرح اپنی اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی تمام بندوں پر واجب کی ہے۔ تو یہ شخص خدا اور رسول کا نائب ٹھہرا تو اس کا معصوم ہونا بھی ضروری ہوا۔ کیونکہ اس کو عقل نہیں قبول کرتی کہ گنہگار، لوگوں کی اطاعت کا خدا حکم دے اور (بعد از رسولؐ) بارہ اماموں کے سوا کسی کی عصمت کا کوئی شخص نہ مدعی ہے نہ دعوے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ حکم خداوند عالم کا کسی خاص زمانہ یا وقت یا خاص کسی شخص کو نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص اور ہر وقت کیلئے قیامت تک کیلئے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت بھی عام ہے۔ امور دنیا اور دین کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ عام اطاعت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر اولی الامر سے مراد دنیا کے بادشاہ ہوں تو مذہب اسلام کا کوئی ٹھکانا نہ رہیگا۔ کیونکہ کہیں نصاریٰ بادشاہ ہیں کہیں "بدھ مذہب والے کہیں کفار۔ اور اگر مسلمان ہی مقصود ہوں تو پھر ان میں بھی خدا جانے کتنے فرقے ہیں ..... پھر کہیں سنی بادشاہ ہیں کہیں شیعہ۔ پھر اطاعت کریں تو کس کی۔ اور سب کی کریں تو یہ بھی محال ہے تب ضروری ہے کہ "اولی الامر" سے دنیا کے بادشاہوں کے علاوہ کوئی اور شخصیت مراد ہو۔ اور اس شخصیت کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ خدا کا حکم لغو اور بیکار رہوگا۔ اسی بنا پر حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مرجائے۔ تو وہ جہالت کی موت مرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ دنیا کی معرفت حاصل نہ کرنے سے جہالت کی موت نہیں ہوتی۔ اور حدیث جابر ابن عبداللہ انصاری (رضی اللہ عنہ) سے بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ

اولی الامر سے مراد ائمہ معصومینؑ ہیں۔ بلکہ اس میں تو دوازدہ ائمہ کے نام تک تصریحاً مذکور ہیں"۔
(ترجمہ قرآن مولوی فرمان علی) اور وہ حدیث یہ ہے جو کہ اس مشہور آیت کی تفسیر میں پیش کی جاتی ہے
علامہ جمال الدین محدث اہلسنت اپنی کتاب روضۃ الاحباب جلد ۲ میں لکھتے ہیں کہ "حضرت جابرؓ
ابن عبداللہ انصاری نے فرمایا کہ جس وقت آیہ مبارکہ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و
اطیعوا الرسول ۔۔۔ الخ کا نزول ہوا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے خدا اور رسولؐ کو
تو جان لیا فرمایئے اولی الامر کون ہیں جس کی اطاعت بعینہٖ خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہے آنحضرتؐ
نے ارشاد فرمایا۔ اولی الامر میرے خلفا ہیں میرے بعد۔ ان میں سے پہلا خلیفہ علیؑ ہے پھر حسنؑ پھر
حسینؑ پھر علیؑ ابن الحسینؑ۔ پھر محمد ابن علی جو توریت میں باقر کے نام سے موسوم ہے قریب ہے کہ
اے جابر تم اس کا زمانہ پاؤ۔ پس جس وقت اُن سے ملنا تو اُن کو میرا سلام کہنا۔ پھر جعفرؑ صادق
بن محمد۔ پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی ابن موسیٰ پھر محمد ابن علی پھر علی ابن محمد پھر حسن ابن علی۔ پھر محمد
(مہدی) ابن حسن علیہم الصلوٰۃ والسلام یہی حجت خدا ہے زمین پر۔۔۔۔ الخ"۔

اور جناب مولوی عبیداللہ بسمل امرتسری نے اپنی مشہور و مستند کتاب ارجح المطالب میں اس
آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ عبدالغفار ابن القاسم سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق
علیہ السلام سے اولی الامر کی نسبت پوچھا تو فرمانے لگے علیؑ انہیں میں سے (پہلے) تھے۔ (اخرجہ الخوارزمی)

سوال ۔ از محترم محمد عبداللہ صاحب اختر چک ۱/۲۲۸
"معارف اسلام" شمارہ ماہ اپریل ۱۹۵۶ء میں یادگار اقبال کے مضمون کے تحت باقیات
اقبال کے صلا کا یہ شعر زیر نظر ہے "بعض اصحاب ثلاثہ سے نہیں اقبال کو۔ دق مگر اک خارجی سے
آکے مولائی ہوا" طبیعت عجب کشمکش میں مبتلا ہے۔ اور کئی دوست بھی اسی تجسس میں ہیں کہ اقبال
کونسے خارجی سے دق آکر مولائی ہوئے تھے۔ کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے۔ اور شعر کا مطلب بھی
واضح کریں گے؟

الجواب ۔ اقبال کا یہ شعر باقیات اقبال کے صلا پر نہیں بلکہ رخت سفر صلا پر موجود ہے۔
شمارہ ماہ اپریل میں باقیات اقبال کا نام سہواً کاتب سے چھپ گیا ہے۔ اس شمارہ میں اسکی تصحیح
کردی گئی ہے۔ "رخت سفر" تاج کمپنی لمیٹڈ حیدر آباد کراچی نے شائع کی ہے۔ اور اس کو عزت
مآب ڈاکٹر محمود حسین وزیر حکومت پاکستان کی تائید بھی حاصل ہے۔
شعر بالکل سادہ اور عام فہم ہے۔ آپ اس خارجی کا نام پوچھنا چاہتے ہیں جس سے دق آکر علامہ

اقبال مرحوم مولائی ہو گئے تھے۔ مشہور مقولہ ہے "معنی الشعر فی بطن الشاعر" لہٰذا اس اصول کے مطابق علامہ اقبال مرحوم ہی اس خارجی کا نام و پتہ بتا سکتے ہیں۔ ان کے کلام نظم و نثر میں تلاش کیا جائے جس طرح امام غزالی کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے اپنی آخری عمر میں جب مذہب اہلبیت اختیار کیا تو اپنے خیالات کا اظہار اس شعر میں فرمایا ؎

دوست آمد عرضِ ایمان کردہ رفت   پیر گبرے را مسلمان کردہ رفت
(خزینۃ المسائل)

یہ دوست کون تھا؟ پیر گبرے سے پوچھئے یا غزالی سے

سوال از طرف محترم محمد ابراہیم صاحب ۔ تلمبہ

اگر سنی عقیدے کا آدمی فوت ہو جائے۔ اور جنازہ پڑھانے والا پیشنماز بھی سنی ہو اور شیعہ کو ساتھ شریک ہونا پڑے تو وہ جنازہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو یا کھول کر۔ اور اُسے کیا پڑھنا چاہیئے۔ اور اُسے وہابی اور سنی کے نکاحوں میں بھی شرکت کرنا پڑتا ہے تو اُسے وہاں جا کر کیا عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اُسے ملت ابراہیم۔ دین محمدؐ اور منہاج امیرالمومنین علیہ السلام پر چلنے کی خداوند عالم نے ہدایت کی ہے۔ ان دو مسئلوں سے ہم کو مطلع فرماویں؟

الجواب:۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہر مسلم کیلئے اپنے عزیز و اقارب ہمسایہ و دوست و احباب کی نماز جنازہ پڑھنا واجب کفائی ہے۔ سُنی، شیعہ، صوفیا، اہلحدیث سب مسلمان ہیں ہر ایک کو ایک دوسرے کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا چاہیئے۔ اور اپنے اپنے مسلک کے مطابق نماز ادا کرنا چاہیئے۔ آپ چونکہ کتاب اللہ و عترت اہلبیت کے مسلک پر گامزن ہیں۔ لہٰذا آپ کو نماز جنازہ اپنے طریقے کے مطابق اپنی نیت اور قرأت سے پڑھنا چاہیئے۔ چونکہ نماز جنازہ ایک قسم کی دعا ہے جو مردہ کی مغفرت کے لئے ہوتی ہے۔ اس سے دشمنان اہلبیتؑ جنکی دشمنی ثابت ہو جائے دعا کے مستحق نہیں ہیں۔ لہٰذا علماء کرام نے ایسے لوگوں کی نماز کیلئے دُعا کی بجائے وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی نماز میں دشمنان اسلام کے لئے اختیار کیا تھا یعنی قنوت کے بعد آپ بقول صحیح بخاری وغیرہ ہاتھ اٹھا کر اللھم العن فلاناً و فلاناً؛

نکاحوں میں آپ حسب مرضی خود ضرور شرکت فرمایا کیجئے۔ مگر عقد وہاں نکاح خواں نے پڑھانا ہے۔ نہ کہ آپ نے۔ آپ کسی عمل کیلئے وہاں مکلف نہیں دولہا کو مبارکباد دیجئے۔ تا کہ شیعہ دوستی میں محبت و پیار بڑھے۔

ضروری اطلاعات واعلانات

(۱) آئندہ شمارہ "محرم ایڈیشن" ہوگا۔ جس میں کہ مایہ ناز محققین و اہل قلم حضرات کے پر مغز مقالات دعوتِ غور و فکر دینگے۔ یہ شمارہ اصل تعداد سے کچھ زیادہ ہی چھپے گا۔ تاکہ ممبران وخریداران سے علاوہ دیگر حضرات بھی مستفید ہو سکیں۔ محکمہ ڈاک کی کمزوریوں کی وجہ سے نہ ملنے کی شکائت پر یہ پرچہ دوبارہ روانہ نہ ہو سکے گا۔ اسلئے صاحبانِ ذوق کیلئے مناسب ہے کہ ۲۰ جولائی سے پہلے پہلے ۸ر کے ٹکٹ ڈاک ہمیں ارسال کردیں۔ تاکہ ان کا پرچہ بذریعہ رجسٹری ارسال کیا جائے۔

جو مضامین اس شمارہ ماہ جون میں نا مکمل رہ گئے ہیں۔ انہیں محرم ایڈیشن ہی مکمل کردیا جائیگا۔ مگر کتاب "جمہوریت و امامت" کی قسط اس میں شائع نہ ہو سکے گی۔ قارئین شکایت نہ فرمادیں یہ ماہِ اگست سے حسبِ معمول شائع ہوگی۔

(۲) بنگالی زبان میں لٹریچر شائع ہونا شروع ہوگیا۔ یہاں کی نسبت مشرقی پاکستان میں اشاعتِ دین کی کہیں زیادہ ضرورت ہے یہ شرف بھی آپ کے اس محبوب "ادارہ معارفِ اسلام" ہی کو حاصل ہوا کہ اسکی شاخ مشرقی پاکستان نے یہ سلسلہ شروع کردیا۔ بنگلہ زبان میں پہلا کتابچہ "نفسِ رسولؐ" کا ترجمہ شائع کردیا گیا ہے یہ اہم مضمون امیر المومنینؑ کی زندگی پر مشتمل مکمل تاریخی حوالوں کے ساتھ ہے جو کہ بیگم صاحبہ شیخ فیروز الدین کی تصنیف ہے۔ اور روزنامہ زمیندار لاہور کی دو اشاعتوں میں بالاقساط شائع ہوچکا ہے مکمل اشاعت کا 75 فیصدی ڈھاکہ۔ چٹاگانگ کھلنا۔ بریسال وغیرہ کے علاقوں میں مفت تقسیم ہو رہا ہے۔ 25 فیصدی اس سلسلہ کو آئندہ چلانے کیلئے برائے فروخت بے موجود ہے بنگالی خواندہ حضرات براہ راست لوکل سیکرٹری صاحب برائے حلقہ مشرقی پاکستان محترم سید محمد سبطین صاحب ڈی۔ ایل۔ آر۔ آفس تیجگاؤں ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) سے ۸ر کے ٹکٹ ڈاک بھیج کر حاصل کرسکتے ہیں۔

دیگر انجمنوں و اداروں کی خدمت میں پُرزور درخواست ہے۔ پاکستان حسینی مشن (رجسٹرڈ) راولپنڈی۔ امامیہ مشن (رجسٹرڈ) لاہور۔ اور انجمن عباسیہ (رجسٹرڈ) نارووال کو خاص طور پر متوجہ کیا جاتا ہے کہ بنگال کی طرف بھی فوراً متوجہ ہوں۔ وہاں پر اشاعت مذہب حقہ اسلامیہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ عوام تک صحیح واقعات اور تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ پہنچانا

اشد ضروری ہے۔ تاوقتیکہ ہمارے اس ادارہ کی ایک مرکزی باڈی نہیں بن جاتی۔ ہر ایک کو فرداً فرداً اس طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ اور بنگالی لٹریچر چھاپنا بھی شروع کر دینا چاہئے۔

(۳) تبلیغی و اصلاحی ادارہ کی مرکزیت

ہمیں کئی دوستوں نے اور خود ہم نے بھی بعض دوستوں کو متوجہ کیا ہے کہ ملک میں ہمارے جتنے اصلاحی و تبلیغی ادارے ہیں۔ اُن کی مرکزیت قائم ہونا اشد ضروری ہے۔ تاکہ ہم اپنے اغراض و مقاصد کو بطریق احسن حاصل کر سکیں۔ اس صورت میں ہمیں جو جو قیمتی فائدے حاصل ہونگے وہ بیان سے باہر ہیں۔ کیونکہ سب انجمنیں اپنے اپنے نام پر نہایت نیک نیتی اور خلوص سے چل رہی ہیں۔ اسلئے کیا ہم امید کریں کہ ہم نے یہ تجویز پیش کر کے جو اپنا ہاتھ بڑھایا ہے۔ تمام دیگر انجمنیں بھی اس ضمن میں اپنا دستِ تعاون دراز کرینگی۔ اس صورت میں آپ یقین جانئے کہ قوم کی قریباً تمام کمزوریاں دور ہو سکتی ہیں۔ اور ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ ہم نے یہ لکھ کر اتمام حجت کر دیا۔ اور ضمیر کی آواز پر لبیک کہدیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ کس کس طرف سے لبیک کی آواز آتی ہے۔

(۴) ایک قدم اور آگے:۔ عزاداری امام حسین علیہ السلام صدیوں سے جاری ہے۔ خود جناب رسول اکرم نے اپنی زندگی میں خبر شہادت حسین دیکر آنسو بہائے ہیں۔ اور اگر انبیاء سلف کے حالات مستند کتابوں سے پڑھیں تو انبیاء سلف مظلومیت حسینؑ پر روتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر بُرا ہو سیاسیاتِ عالم کا جس نے اقتدار حکومت حاصل کرنے کیلئے دیگر ہتھکنڈوں میں مخالفت عزاداری امام مظلوم کو بھی شامل کیا۔ یہ مخالفت مخالفین اہلبیتؑ و قاتلان امام حسین علیہ السلام کی برسر اقتدار جماعت اور اُس کے پیروکاروں کی طرف سے شروع ہی سے جاری ہے۔ اور یہ مخالفت ناگزیر بھی تھی۔ اگر مخالفت نہ کرتے تو جھوٹے بنتے۔ مگر مخالفت کے باوجود بھی وہ سچے نہ بن سکے۔ کیونکہ ظلم بہر حال ظلم ہے۔ مسئلہ عزاداری کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فیصلہ کرنے کیلئے ادارہ معارف اسلام نے "استقرار حق عزاداری" شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسکی اشاعت ایک تاریخی کارنامہ ہوگا۔ اس ضخیم کتاب میں جو کہ ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہوگی "تاریخ عزاداری" کے علاوہ تاریخ مذاہب شیعہ وسنی بھی بیان کی جائیگی۔ اور استقرار حق کے سلسلہ میں ہر وہ چیز جسکی قوم کو ضرورت ہے اور حکومت و جمیع مسلمانان کے سامنے پیش کئے جانے کے قابل ہے۔ اس تاریخی کتاب میں موجود ہوگی۔ غرضیکہ یہ عزاداری امام کے سلسلہ میں جملہ قرآنی۔ تفسیری۔ حدیثی، تاریخی عقلی و قانونی۔ اور نفسیاتی و فطری معلومات کا ذخیرہ یعنی انسائیکلو پیڈیا ہوگی۔ مضامین قریباً

کہ قرآن تمام عالمین کیلئے قیامت تک کیلئے قانون ہدایت ہے۔ ارشاد ہے:۔

تبارك الذى نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيراً (پ۱۸ سورۃ الفرقان)	صاحب برکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا۔ تاکہ وہ تمام عالموں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

پیغام خدا پیشتر پیغمبرانِ ماسلف کے ذریعے انسانوں تک پہنچتا رہا۔ اور خدا کا یہ آخری پیغام بصورتِ قرآن حضور نبی اکرم صلعم پر ختم ہوگیا جس کے بعد مزید پیغام کی ضرورت نہ رہی۔ اور آئندہ کیلئے سلسلہ انبیاءؑ کے جاری رکھنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔ لہٰذا نبوتِ محمدیہ عالم کے آخری لمحات تک کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جو کہ ہر زمانے میں کم از کم تمام عالم پر حاوی ہے۔ لہٰذا امامِ وقت یعنی نائب رسولؐ اپنی انفرادی حیثیت میں تمام عالم پر مسلط ہوتا ہے۔ اگر اس اصول کو تسلیم نہ کیا جائے تو جنگ لازم آئیگی۔ (اور یہی وجہ دنیا کے مسلسل جنگوں میں مبتلا رہنے کی ہے) یعنی اگر ایک وقت میں طبقہ ارض میں سے کچھ حصہ اُس کے زیرنگین ہوا اور کچھ نہ ہوا تو جو حصہ اُس کے ماتحت نہ ہوا وہ اُس کے خلاف ہوا لہٰذا امن قائم کرنے کیلئے جنگ لازمی ہوگی۔ اور جب تک وہ مخالف طبقہ بھی امامت کے زیرنگین نہ آجائے یعنی جبتک واحد حکومت تسلیم نہ کرلی جائے امن محال ہے۔ روس اور امریکہ کا موجودہ جھگڑا اور روس اور امریکہ کے موجودہ دونوں بلاک ہمارا مطلب واضح کرنے کیلئے مثالاً پیش کئے جاسکتے ہیں۔ جب تک دونوں میں سے ایک دوسرے کے ماتحت نہ ہوجائے جنگ نہ رُک سکیگی۔ ظاہر نظروں میں ایسا ہی دکھائی دیتا ہے۔ مگر چونکہ فی الحقیقت یہ جھگڑا مفادِ عالم کیلئے نہیں بلکہ ذاتی مفاد اور اقتدارِ عالم حاصل کرنے کیلئے ہے یہ اس لئے کہ "حق حکومت بدستِ انسان" کا اصول کارفرما ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے ماتحت بھی ہوجائے۔ تو بھی امنِ عالم حاصل نہ ہوسکے گا۔ تاوقتیکہ دونوں میں سے ایک معدوم نہ ہوجائے۔ اسی مثال سے منظر کہ علاء الدین کا لب کا مطلب ہے امنِ عالم صرف اُسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جبکہ دنیا کی واحد حکومت خدا کے ماتحت ہو۔ انسانی رائے یعنی ووٹروں کے ماتحت قائم نہ کی جائے۔

ایسا فرمانروا صرف خدا ہی مقرر کرسکتا ہے	تمام عالم کا واحد فرمانروا ہونے کے بعد اجرا قانون کی تمام تر ذمہ داری

بھی اسی کی ذات پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ ہدایتِ خلق کا کاروبار اسی کے ذمہ ہے کہا جاتا ہے

کہ قرآن میں ہدایت کے سب سامان مہیا ہیں۔ اور قرآن کے ہوتے ہوئے انسان کسی اور ہادی کا محتاج نہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ قرآن حکیم میں سب کچھ موجود ہے۔ اور وہ سلامتی کے قانون کی مکمل تعزیرات ہے۔ مگر اس کے قانونی رموز و نکات کو سمجھنا اور سمجھ کر موقع و محل کے مطابق اجراء کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ علماء دین جنہوں نے اپنی ساری ساری عمریں قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے میں صرف کر دیں وہ بھی اس سے مس نہیں رکھتے۔ ورنہ موجودہ فرقہ بندی نہ ہوتی۔ سب فرقے اپنے علما ہی کے ماتحت چلتے ہیں۔ اور سب قرآن ہی کو اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اگر سب قرآن کو منشاء خالق العالمین کے مطابق ہی سمجھ جاتے تو ایک ہی فرقہ ہوتا۔ مسلمانوں میں افتراق نہ ہوتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علمائے دین اُس معیار پر پورے نہیں اترتے جس معیار پر تمام دنیا کے واحد فرمانروا کو قائم ہونا چاہیے۔ قرآن کے متعلق خدائی فیصلہ مندرجہ ذیل آٹھ آیات قرآن سے ظاہر ہوتا ہے:۔

(۱) قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم اٰیٰت اللہ بینٰت (الطلاق)	یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ذکر کو رسول بنا کر بھیجا جو تم کو خدا کی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔
(۲) ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (القمر)	تحقیق ہم نے آسان کیا قرآن کو رسول کیلئے کوئی ہے جو اس سے نصیحت پکڑے۔
(۳) فانما یسرنٰہ بلسانک لعلھم یتذکرون (الجاثیہ)	پس سوائے اس کے نہیں ہے کہ ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں بہت آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
(۴) فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل)	اگر تم نہیں جانتے تو اہل الذکر (یعنی اہل الرسول) سے پوچھ لو۔
(۵) وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم (آل عمران)	اور اُن کا اصلی مطلب سوائے خدا اور اُن لوگوں کے جو علم میں مضبوط ہیں کوئی نہیں جانتا
(۶) انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون (الواقعہ)	بیشک نفع دینے والا قرآن پوشیدہ نوشتہ میں ہے جس سے سوائے اُن لوگوں کے جو پاک کر دیئے گئے ہوں کسی کو مس نہیں۔

(۷) إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيراً (پ۲۲ الاحزاب)	اے اہلبیتؑ سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا کا یہی ارادہ ہے کہ تم کو ہر قسم کے رجس سے دور رکھے اور تم کو ایسا پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔
(۸) وکل شیئٍ احصیناہ فی امام مبین (پ۲۲ یٰس)	اور ہم نے ہر چیز کو (از روئے علم) امام مبین میں احاطہ کر دیا ہے۔

چونکہ تمام عالم پر ایک پُرامن حکومت قرآنی احکام کے مطابق ہی قائم ہو سکتی ہے۔ اور اُس حکومت کے انتظامات کے لئے قوانین کا اجرا خدا ہی کے فرمان (یعنی قرآن) کے مطابق ہونا لازم ہے لہذا ایسا واحد فرمانروا جو کہ قرآن کا مکمل ماہر ہو اور قرآن کے ہر ہر امر سے پوری پوری طرح واقفیت رکھتا ہو۔ اُس کی پہچان مندرجہ بالا آٹھ آیات قرآن سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ کیا عوام یا عوام کے نمائندے اپنے ووٹوں سے ایسی شخصیت بنا سکتے ہیں۔ انبیاء ماسلف اور خود جناب ختمی مرتبت کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ نبی اپنے زمانہ میں اُن تمام پر فضیلت رکھتا تھا اور اُن پر سردار ہوتا تھا جن پر وہ مبعوث کیا گیا۔ اگر حکومتِ دُنیا اس نبی کے عہد میں کسی دوسرے کے زیرنگین ہوئی تو جبتک وہ حاکم نبی کے ماتحت نہیں ہوا نبی اور حاکم کے مابین اختلاف اور پیکار کی نوبت رہی ہے۔ نمرود اور فرعون کی مثالیں اور طالوت کی مثال قرآن سے پیش کی جا سکتی ہیں کیونکہ حاکم حقیقی ہر آن خدا ہی ہے۔ اس لئے ماننا پڑیگا کہ نبی ہی اپنے زمانہ میں خدا کے ماتحت اصل فرمانروا ہوتا ہے۔ آدمؑ سے لیکر رسولِ مقبول تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اجماع یا الیکشن سے نبی یا نبی کا نمائندہ مقرر کیا گیا ہو۔ جب کبھی ہوا یہی ہوا کہ ایسی ہستیاں خدا ہی کی جانب سے معمور ہوئیں کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ تمام عالم کا امیر (یعنی نائب رسول اللہ) کو نہ تو خدا مقرر کرے نہ رسولؐ۔ اور یہ اختیار بحیثیتِ مجموعی اس ہستی کے ہاتھ سونپ دیا جائے جو خود خطا و نسیان کا پتلا ہو اور محتاجِ ہدایت ہو۔ جب ابتدا سے لیکر جناب رسولِ مقبول تک ہدایت کرنے والوں کا مامور من اللہ ہونا لازم اور مدرسۂ الوہیت کا پڑھا ہوا ہونا ضروری رہا ہے تو حضورؐ کی وفات کے بعد سے لیکر آج تک اور آج سے آئندہ تک مسلمانوں کا مختار قدرت کی مدد سے بے نیاز ہو جانا ایک انوکھی جدت ہے قرآن میں ارشاد رب العالمین ہے۔

فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد	تم خدا کے قاعدہ میں کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے

لسنت اللہ تحویلا (پ۲۲ الفاطر)	اور نہ تم خدا کے قاعدے کو کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے۔

اور اسی مفہوم کی کئی آیات واضح موجود ہیں۔ مثلاً

سُنتہ من قد ارسلنا قبلک من رُسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا (پ۱۵ بنی اسرائیل)	اسی طریقہ پر جس پر ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے تھے اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے

یہ بالکل ہی واضح آیت ہے اور اس اختلاف کا فیصلہ کر دیتی ہے تو پھر اسلام میں ہدایتِ خلق کے قانون کو کیونکر تبدیل شدہ سمجھ لیا جائے۔ انسانیت کیلئے قانونِ ہدایت مکمل ہو جانے کے بعد سلسلہ پیغمبری یعنی نبوت ختم ہو جانے سے جہاں عقلاً انکار کی گنجائش نہیں وہاں نبیؐ کے بعد اجرا قانون کیلئے ایسی ہستی کا وجود بھی لازمی تسلیم کرنا پڑتا ہے جو نبی نہ ہو مگر قرآنی علوم و ہدایت جاری کرنے میں سوائے خداؐ کے کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور اس کا علم منجانب اللہ یعنی الوہی اور لدُنی ہو۔ تکمیل دین سے نبوت کا ختم ہو جانا واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر ہدایت کی ضرورت ختم نہیں ہوئی چنانچہ جب آیہ مجیدہ "انت منذر و لکل قوم ھاد" (پ۱۳ الرعد) نازل ہوئی تو حضور صلعم نے فرمایا کہ منذر یعنی ڈرانے والا میں ہوں۔ اور حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہادی یعنی ہدایت جاری کرنے والا یہ ہے[1] ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہدایت جاری کرنے والے کی ضرورت بعد از نبی اکرم صلعم قیامت تک کیلئے ہے اور جو بھی خداوند عالمین کی طرف سے ہادی مامور ہو اُس کا اتباع بھی عقلاً لازم ہے اور اُس کی پیروی نہ کرنے سے خالق کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اور ایسے مامور ہادی کیلئے معیار بھی خود خالق عالمین نے ہماری پہچان کیلئے قرآن محکم ہی میں قائم کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بہ

واللہ لا یھدی القوم الظلمین (پ التوبہ)	اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

جس نے ایک ظلم بھی کیا وہ ظالم ہو گیا۔ اور حقیقی ہدایت اُس کو حاصل ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو۔ اور ظلم قرآن کی رو سے خدا کی کسی ایک مقرر کردہ حد کو توڑنے سے بھی واقعہ ہو جاتا ہے لہٰذا راہبر اسلام کا معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہوا کیونکہ خدا جب ظالم کو ہدایت یعنی اُس کی رہبری نہیں فرماتا تو وہ ظالم رہبر اسلامیاں کیونکر ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے

افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون پ۱۱ یونس	آیا وہ شخص جو حق تک پہنچا دے اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو

[1] اخرجہ الثعلبی فی تفسیرہ والحافظ ابو نعیم فی کتاب ما نزل من القرآن فی علی وابو بکر بن مردویہ۔ اخرجہ السیوطی فی دُر منثور۔ اخرجہ ابن عساکر و ابن النجار فی دُر منثور

خود راستہ نہیں ملتا جب تک کوئی دوسرا نہ اُسے بتائے بس تم کو کیا ہوگیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو

لہذا ماننا پڑیگا۔ کہ جس کسی نے بھی علم حاصل کرنے کیلئے دنیا میں کسی دوسرے کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ہو۔ یا دُنیاوی سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علم حاصل کیا ہو ہدایتِ خلق کا کام کم از کم ایسے آدمی کے بس کا روگ نہیں ۔وہ وہی ہوسکتا ہے ۔جو مدرسۂ الوہیت کا سند یافتہ ہو جس کو خدا تعالیٰ ہی نے خود پڑھا کر بھیجا ہو۔ اور اس کام کیلئے معمور کیا ہو۔ جو علم لدُنی کا مالک ہو۔ مندرجہ بالا آیت قرآن سے تو یہی واضح ہوتا ہے ۔اس کے علاوہ بیسیوں آیات کلام الٰہی میں ایسے ہی مضامین کی ملتی ہیں۔ اور علیم بذاتِ خود صفت مشبہ ہے ۔جو کہ اپنے موصوف سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی علیم پیدائش ہی سے علیم ہوتا ہے ۔جیسا کہ آیت قرآن" انا نبشرك بغلام علیم" (پ الحجر) میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کو فرشتوں کے ذریعے خوشخبری دی ایک صاحبِ علم لڑکے کے پیدا ہونے کی۔

غرضیکہ بے علم کی تقلید و پیروی کرنے یا بے علم کو ہدایتِ خلق کا کام سپرد کرنے کا کسی جگہ بھی حکم نہیں نہ ہی شرعاً نہ ہی عقلاً۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :۔

ولاتتبع اھواء الذین لا یعلمون (پ الجاثیہ)	اور اُن لوگوں کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے ۔

یہ وہ اصول ہیں کہ خداوند تعالےٰ نے ہر انسان کی راہبری کیلئے کھول کر بیان فرما دیئے اور انہی کے ماتحت تاریخ اور قرآن کی ورق گردانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء علیہ السلام تک انسان کی اس احتیاج کو خالق نے خود پورا کیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی نبی کو بھی اپنی مرضی سے انسانوں یا انسانوں کی کسی جماعت کا امیر مقرر کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ بلکہ خالق خود یا انبیاءؑ خالق کی مرضی سے ہمیشہ امیر یا اپنا نائب مقرر کرتے رہے۔ اور تاریخ یا قرآن میں ہزاروں واقعات میں سے کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی نبی یا نبی اولوالعزم تک نے بھی خود اپنی مرضی سے ایسی شخصیت کو اس اہم کام کیلئے مقرر کیا ہو۔ چہ جائیکہ عوام نے۔ اس کے برعکس جب کبھی بھی کسی بھی نبی کے عہد میں اس اہم امر کیلئے کسی شخصیت کو مامور کیا گیا۔ خدا ہی کی مرضی کے مطابق۔ قرآن اور تاریخ تمام ایسی ہی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ چند مثالیں قرآن سے ملاحظہ ہوں :۔

(۱) وَاَخِیْ ھٰرُوْنُ ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْہُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ۔ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ ... (پ۲۰ القصص)

(موسیٰ نے خدا سے فرمایا) اور میرے بھائی ہارون کو جو میری نسبت زیادہ فصیح ہیں۔ میرے ساتھ مددگار بناکر بھیج کہ وہ میری تصدیق کریں۔ یقیناً میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے (خدا نے) فرمایا۔ عنقریب ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے بازو کو قوی کردیں گے

(۲) وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَہٗٓ اَخَاہُ ھٰرُوْنَ وَزِیْرًا (پ۱۹ الفرقان)

(۳) وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ... وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ (پ۱۹ النمل)

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر مقرر کیا تھا

اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا ... اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔

رفع شبہ۔ اگر خیال پیدا ہو کہ بیشک انبیاءؑ تو خداوند تعالیٰ نے ہی خود مقرر فرمایا ہے۔ مگر جہاں تک انسانوں پر ایک جماعتی نظام سے حکومت کرنے کا تعلق ہے۔ تو ایسا امیر عوام اپنے لئے خود مقرر کرسکتے ہیں۔ جواباً گذارش کہ جہاں تک اسلامی نکتہ نگاہ کا تعلق ہے۔ انسان کی راہبری یا سرداری کرنے کے لئے خدا ہی بہتر آدمی منتخب کرسکتا ہے۔ دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجودیکہ نبی اللہ تھے۔ اور کار نبوت انجام دے رہے تھے۔ مگر انسانوں کی سرداری کا عہدہ نبوت ملنے سے بہت بعد خداوند تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اور جب کہ وہ خداوند تعالیٰ کے امتحان میں کامیاب و کامران ہوئے اور خداوند تعالیٰ نے انہیں انسانوں کی سرداری کا اہل سمجھا۔ تو پھر فرمایا "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" (القرآن) اور یہ امامت آپ کو نبوت کے بعد ملی۔ اس امر پر مزید روشنی واقعہ طالوت بادشاہ سے ڈالی جاسکتی ہے جو قرآن سورۃ بقرہ میں واضح طور سے موجود ہے پیشتر بھی کتاب ہذا میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ عوام جو اس زمانہ کے نبی کی امت تھے بضد تھے کہ وہ طالوت کو بادشاہ نہیں بنائیں گے۔ مگر خدا نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ بلکہ رائے عامہ کو ٹھکرایا گیا۔ حالانکہ معاملہ حکومت کا تھا کوئی نبوت کا معاملہ نہ تھا۔

لہٰذا قابل غور امر یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے تو خالق اپنی مخلوق کی احتیاجات کو مدنظر رکھتا چلا آیا۔ مگر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جناب پیغمبر آخرالزمان صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد جب دین کامل پر عمل کرنے کیلئے انسانوں کی ذمہ داریاں زیادہ بڑھ جائیں اس وقت خدائے رحمٰن و رحیم

امت محمدیہ کو نظر انداز کر کے ہمیشہ کیلئے منہ موڑ لے۔ اور حضورؐ کی وفات کے بعد تقاضائے ہدایت کا عدم ہو جانے۔ اور ہر شخص خود ہادیانہ صفات سے متصف ہو گیا ہو۔ اسلام میں موجودہ قسم قسم کے فرقوں کا وجود اس نظریئے کو اپنانے کی پیداوار ہے۔ اور قرآن حکیم کی تفسیر بالرائے کا اجرا اسی غلط نظریہ کی ایجاد ہے۔ یعنی جس کسی عالم دین کو یا بادشاہ وقت کو جو بھی طاقت حاصل ہوئی اس نے اپنی عقل اپنے زاویہ نظر کے مطابق نئے سے نئے طریقے نئے سے نئے نظریئے دین اسلام میں ایجاد کئے جس سے اُمت ٹکڑے ٹکڑے نظر آتی ہے۔ کاش کہ مسلمان خلیفہ رسولؐ یا امام امت کیلئے ہمیشہ منجانب اللہ ہونا ہی تسلیم کرتے۔ اور مختلف اور متفرق طریقے اس امر کیلئے قائم نہ کرتے تو نہ مسلمان فرقہ فرقہ نظر آتے نہ موجودہ گمرہیاں پیدا ہوتیں۔

کس قدر مضحکہ خیز نظریہ ہے کہ جن لوگوں کو ہدایت کی ضرورت ہو وہ خود اپنی جماعت میں سے اپنا ہادی و سردار مقرر کر لیویں۔ اتنا نہیں سوچا جاتا کہ محتاج ہدایت اگر اپنے نیک و بد سے خود واقف ہے اور بدیوں سے متنفر بھی ہے تو اُسے ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ محتاج ہدایت تو اُس صورت میں اُسے کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ وہ خود ناواقف ہے ورنہ ہدایت کی ضرورت سے وہ بے نیاز ہے۔ مگر جب وہ خود ناواقف ہے تو اُسے حق نہیں کہ وہ خود اپنے لئے اپنا ہادی مقرر کر لیوے کیونکہ ہدایت طبیعت سے تعلق رکھتی ہے اور جب طبیعت ہی اُس کی اعتدال پر قائم نہیں تو جس کسی کو بھی وہ سردار یا ہادی مقرر کریگا وہ اپنی طبیعت ہی کے مطابق کریگا۔ اور طبیعت اُس کی خود ہدایت یافتہ یعنی اعتدال پر نہیں تو ثابت ہے کہ وہ غلط انتخاب کریگا۔ کیا خوب مثال ایک بچہ نادانی کی ہے جو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اپنے کھیلنے کیلئے آگ کا سرخ انگارہ یا ایک خوبصورت وملائم جلد کا زہریلا سانپ پسند کرتا ہے۔ اگر وہ بضد بھی ہو اور ایسے ہی تمام بچے مل کر بھی یہ مطالبہ کریں یعنی بچوں کا اجماع بھی ہو جائے۔ تو بھی یہ خواہش پوری نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ نادانوں میں یہ سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں کہ ایسے کھلونے انکے سکون و آرام کو ختم کر دینگے۔ لہذا جو خود محتاج ہدایت ہے۔ اور علم نہیں رکھتا۔ اُسے اپنا سردار اپنا ہادی اپنا راہبر خود مقرر کرنے کا نظریہ سراسر غیر اسلامی اور خلاف عقل ہے اور نقصان دہ ہے +

خدا نے ہر ایک کی جدا جدا طبیعتیں بنائی ہیں۔ اور ہر ایک میں مقدار عقل علیحدہ علیحدہ کم و بیش تناسب پہ ہے۔ اگر ہر ایک کو احکام قرآن کے مطابق کسی امر کیلئے اپنی اپنی مرضی کے مطابق رائے دینے اور اعتقاد بنانے کی کھلی چھٹی دیدی جائے۔ تو تہتر فرقے تو درکنار ہزاروں لاکھوں گروہ وجود میں آ

جائیں۔ مرکزیت کا خیال تو موجودہ فرقہ بندیوں کی موجودگی میں بھی محال ہے۔ مگر اس صورت میں جبکہ ہر شخص مطالعہ قرآن کے بعد اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق نظام زندگی بنائے اور قرآن سے اپنی ہی عقل کی مقدار کے مطابق نتائج اخذ کرے۔ تو اسلام میں مرکزیت کا نام و نشان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا ماننا پڑتا ہے کہ مرکز اسلام یعنی مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کا راہنما وہی ہو سکتا ہے جو خدا کا بنایا ہوا ہو نہ کہ جمہوریت کی پیداوار ہو۔

عقل عمومی۔ آج کل کے بعض تعلیم یافتہ عقل عمومی کو اس اہم معاملہ میں بھی کسوٹی گردانتے ہیں۔ اگر اس کسوٹی کو بھی درست اور ضروری تسلیم کر لیا جائے تو بھی عقل عمومی (COMMON SENCE) کی رو سے ہی انسان محتاج ہدایت ثابت ہوتا ہے تو اس کے فیصلہ کے مطابق انسان کو اپنا رہبر و سردار منتخب کرنے کا اختیار نہیں۔ یہی عقل عمومی کا فیصلہ ہے۔ فی الحقیقت عقل عمومی کا استعمال محض اُن مسائل کیلئے ضروری ہے جو روزمرہ ہماری طبیعت کے ماتحت عمل میں آتے رہتے ہیں۔ دنیا ایک میدان جنگ ہے۔ جہاں انسان پیدائش سے لیکر اپنی موت تک محتاج ہی محتاج نظر آتا ہے۔ اور قسم قسم کے دشمنوں سے اسے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ظاہری دنیاوی یعنی مادی دشمن تو کم ہیں۔ مگر روحانی اور صبحی دشمن حرص، خواہشات نفسانی، گناہان صغیرہ وکبیرہ کی فوجوں کی فوجیں موجود ہیں جن سے نبرد آزمائی کی ضرورت ہے۔ جب ایک عام دنیاوی میدان جنگ میں ایسے سپاہیوں کی ضرورت نہیں جو کہ سردار کے حکم دینے پر دشمن پر حملہ کرنے کی بجائے اپنی عقل عمومی دوڑانی شروع کر دیں اور سوچیں کہ انہیں حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں، سردار دائیں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دے اور وہ اپنی عقل کے مطابق بائیں طرف سے شروع کر دیں۔ سردار کسی مقام پر ڈٹے رہنے کا حکم دے۔ اور وہ فتح یا شکست سمجھ کر وہاں سے ہٹ جائیں۔ ایسا کرنے پر یقیناً جنگ اُحد جیسے واقعات کو دہرانا پڑیگا۔ اسلام کے سپاہیوں کو تو اپنے حاکم الحاکمین کا بے چون و چرا حکم ماننا پڑتا ہے۔ وہاں عقل عمومی سے کام نہیں لیا جاتا۔ وہاں پر تو سمعنا و صدقنا پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر صاحب ایمان اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جو کہ خدا پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارے ہر امر کیلئے خدا کے احکام و فیصلے موجود ہیں اور ہمارا ہر ایک چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی اسلامی ہے یعنی خدا ہی کیلئے ہے۔ اور ہمیں اسلامی معاملات میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا قطعاً استحقاق حاصل نہیں۔ اور پھر اس جگہ تو سوال تمام عالم کے اور بالخصوص تمام مسلمانوں کے امیر کے تعین کا ہے۔ بلکہ زیادہ تفصیل سے یوں کہا جائے کہ تمام دنیا

فہرست کتب ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ)

مندرجہ ذیل کتابیں خود پڑھیں اور خرید کر دوسروں کو پڑھائیں تمام آمدنی اشاعت مذہب پر صرف ہوتی ہے

قرآن تفسیر با ترجمہ مجلد ۱۲ر	سیپارہ اول (علامہ علی نقی صاحب) ۱۲ر	امراؤالقیس کی رنگیاں (اصلاح مجموعہ) ۳ر
″ ″ بغیر جلد ۱۲ر	فلسفہ اسلام (آغا محمد سلطان مرزا) ۱۲ر	ترجمہ احقاق الحق جلد چہارم ۸ر
مذہب اور سائنس ۱۰ر	اسلامی سیاسیات کا ابتدائی مطالعہ ۵ر	اصل واصول شیعہ (آل کاشف الغطا) ۵ر
حکومت ربانی ۸ر	قرآن اور جغرافیائی مسائل ۸ر	اسلام و مسلمانوں کی تاریخ حصہ اول (عہد نبوی) ۵ر
محرم و آداب عزا ۸ر	فتح القدیر قدیر علے الابلیس شریر ۸ر	اسلامی معاشرہ (تعلیمات اہلبیت) ۸ر
نوائے اقبال او مدح اہلبیت ۸ر	تاریخ و اصلاح ۱۰ر	تحقیق حدیث انا مدینۃ العلم ۱۰ر
موازنہ حق و باطل ۶ر	دلیل العرفان ۸ر	اسلامی عقائد پہ تعلیمات اہلبیت قیمت ۸ر
دلیل عزا ۶ر قوانین شرعیہ ۵ر	معلم اسلام (علامہ کاظمی) ۳ر	ہدایۃ الحسینیہ ۳ر
تعلیم کی ناکامی اور اس کا علاج ۳ر	اعمال واجبیہ (″) ۳ر	ماتم شبیر ۳ر
ٹرسٹ ٹریٹر (انگریزی) ۴ر	دلیل الزائرین ۲ر	ہلاکت و ملوکیت و اطاعت حسینیت ۴ر
اقتصادی مشکلات کا حل ۴ر	جلباب ۸ر	تحفۂ زوجین ۴ر
مہدی موعود ۴ر عصمت انبیا ۴ر	مقتل الحسین عقبہ بن سمعان (علامہ کاموں پوری) ۸ر	سیرۃ فاطمۃ الزہراء (آغا سلطان مرزا) مجلد ۱۲ر بلا جلد ۱۰ر
ذکر بہار ۳ر اسوہ صوفیا ۴ر	تصویر درد ۴ر استیصال البدعۃ ۳ر	عہدناموں کی تعلیمات (علامہ نذر حسن گوپالپوری) ۸ر
آل محمد ۲ر ضرورت اتحاد ۲ر	ظفر المبین ۴ر حقیقۃ الفتنہ ۲ر	(خرچ ڈاک بذمہ خریدار ہوگا)
رحمۃ العالمین اسلام اور اقلیات ۳ر	عملیہ عزا (علامہ مرزا احمد علی) ۲ر	
شہید وحدانیت ۲ر	حضرت یوشع بن نون ۴ر	
ماتم غم (یوم عاشور کی تاریخ منظوم) ۵ر	انوار حکمت ۵ر	
نہج البلاغہ ہر حصہ ۱۲ر (ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب)	رموز حکمت ۳ر منظر اتحاد ۴ر	

ترسیل زر بنام مدیر اعزازی ادارۂ معارف اسلام (رجسٹرڈ) ڈبی بازار لاہور

خط و کتابت بنام مہتمم دفتر ادارۂ معارف اسلام (رجسٹرڈ) ۹/۱۳ شیخ مینشن شاہ عالمی گیٹ لاہور